

# شیخ ابوالوفا ای معائی تعلقات مسئل اور حقائق

دارکhana اوسیرووا

# نئے پین الاقوامی<sup>1</sup> معاشی تعلقات مسائل اور حقوق

مارکیانا اوسمووا



نویگ پریس - دہلی

۶۱۹۸۴

---

پبلشر : نویگ پریس چاندنی چوک، دہلی  
پرنٹر: دِمل آفیسٹ پریس، دہلی

---

قیمت : ۲ روپے

# فہرست

## باب - ۱

### نئے طرز کے بین الاقوامی معاشی تعلقات

۸	جیسو اسے آج تک
۹	ایک اہم عنصر
۱۱	تعاون کے ثمرات
۱۳	سانسی اتحاد عمل
۱۵	سانسی و تکنیکی انقلاب اور یکجہتی
۱۷	مربوط پروگرام
۱۹	بڑھتی ہوئی کامیابیاں
۲۲	

## باب - ۲

۲۵	برا برا اور باہمی فاؤنڈے مندرجی
۲۵	معاشی آزادی کو مضبوط بنانے میں مدد
۲۸	معاشی منصوبہ بندی اور طویل مدتی تعاون
۳۲	کوالٹی، بھروسہ مندرجی اور خوش کاری
۳۴	قومی کارکنوں کی تربیت اور سائنسی و تکنیکی مدد

## باب ۳

### غیر حل شدہ مسائل

- ۲۱ بیرونی قرضوں کے اساب
- ۲۵ بند چکر
- ۲۷ اس بند چکر سے کس طرح نکلا جا سکتا ہے
- ۵۰ معاشی غلامی
- ۵۸ ہتھیاروں کی دوڑ، ترقی پر بھاری بوجہ

۲۰ ویں صدی میں دنیا میں گھری سماجی تبدیلیاں آئیں اور اس نے کروڑوں لوگوں کو سماجی زندگی اور تہذیبی سرگرمی سے حصہ لینے، عالمی تہذیب کی برکتوں سے لطف اندوز ہونے کے قطعی موقع فراہم کئے۔

اس صدی میں تاریخی ارتقا کی رفتار میں نمایاں تیزی آئی ہے۔ عالمی سرمایہ داری اپنے بلند ترین مرحلہ یعنی سامراجی مرحلہ میں ابھی بمشکل تمام داخل ہی ہوتی تھی کہ روس میں ۱۹۱۴ء کے اکتوبر انقلاب نے اس کے تسلط کا خاتمہ کر دیا۔ ابھی ۲۰ سال بھی نہیں ہوتے تھے کہ عالمی سو شلسٹ نظام کے خدوخال ابھرنے لگے۔ اور اس کے بعد کے ۱۰ برسوں میں تمام نوابادیاتی سلطنتوں کے خاتمہ کا عمل شروع ہوا۔ سماجی استبداد اور غیر ملکی تسلط سے بخات حاصل کرنے کی تحریک ہماری دھرتی کے وسیع علاقوں میں پھیل گئی۔ الگ الگ ملکوں کے اندر داخلی سلسلہ ہائے عمل کے درمیان ربط و تعلق آنا زیادہ نمایاں پہلے بکھری نہیں ہوا تھا۔

یہ سامراج ہی تھا جس نے پہلی (۱۹۱۴ء) اور دوسری (۱۹۳۹-۱۹۴۵ء) عالمی جنگ کو جنم دیا تھا۔ جن میں ملکوں اور قوموں کی اکثریت ملوث ہو گئی تھی۔ مزیدہ برائی محنت کی بین الاقوامی تقسیم کے نظام میں تمام ممالک زیادہ شامل ہو گئے ہیں اور سائنسی و تکنیکی انقلاب عالمی وسعت کا حامل بن گیا ہے۔ یہ عناصر عالمی سیاست اور معیشت میں فیصلہ کن روں ادا کر رہے ہیں۔ اس صورت حال نے بعض پرانے اور نئے عالمی مسائل کو اور زیادہ سُنگین بنادیا ہے۔ یہ ایسے مسائل ہیں جن کے حل پر نہ صرف یہ کہ بنیاد کی مفادات بلکہ تمام قوموں اور ساری نوع انسانی کامقدار بھی منحصر ہے۔ ان مسائل کو عالمی برادری کی اجتماعی مساعی کے ذریعہ ہی حل کیا جاسکتا ہے۔

یہاں کوئی انسانی نیوکلیاٹی جنگ کے خطرے کو دور کرنے اور اس کے امکان کو خارج کرنے کی

صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے حل پر ہماری زندگی اور وجود کا نیز انسانی تہذیب کی برقراری اور ترقی کا دار و مدار ہے۔

یکا ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کی ترقی کی مطحوبین میں موجود اس فرق کو دور کرنا ممکن ہے جو بین الاقوامی پیمائنے کے سماجی بحرانوں کو جنم دینے کا خطرہ پیدا کرتا ہے۔ یکا قدرت پر انسان کے منفی اثر کا سد باب کرنا ممکن ہو گا، لیکن کہ اس اثر کے احوال کے لئے تباہ کن نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

بعض وسائل کی خاص طور سے نوانائی کے وسائل کی قلت پر قابو پانے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ ہم اپنی دھرتی کے ایک بڑے حصے سے قحط، بھوک، بیماریوں اور عزیزت کا کس طرح خاتمه کر سکتے ہیں۔ یہ سوالات آج مختلف سطح کے بین الاقوامی اجتماعات و مذاکرات کا مختلف سماجی نظاموں والی ریاستوں کے درمیان تمحیلوں کی تلاش اور تیاری کا موضوع ہے۔ یہ وسائل اقوام متحده جنرل اسمبلی اور اس کی خصوصی نیز علاقائی اجنبیوں کے اجنبی ٹے میں ہمیشہ شامل رہے ہیں۔

ترقی پذیر مالک ایک نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے قیام کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ ایک اہم عالمی مسئلہ ہے۔ یہ سوال عالمی سو شلسٹ نظام کے قیام، سامراجی نوآبادیاتی نظام کے بکھراو اور ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں نئی آزاد ریاستوں کے ابھار کے بعد ہی عملی طور پر اٹھایا جاسکا۔ نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے قیام سے متعلق مطالبات ترقی پذیر ملکوں کی اس جدوجہد کا ایک حصہ ہیں جو وہ اپنی قومی آزادی اور سماجی ترقی کے لئے کر رہے ہیں۔ نئے بین الاقوامی معاشی نظام کا پرہ و گرام جس کے خدم و خال کمی برسوں سے نمایاں ہو رہے ہیں، بنیادی طور پر ایک سامراجی مختلف اور نوآبادیاتی مختلف پرہ و گرام ہے۔

یہ بین الاقوامی معاشی نظام ریاستوں کے درمیان معاشی تعلقات کا ایک ایسا نظام ہے جسے باوجود اس کے کھنقتی طور پر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان معاشی تعلقات نا برابری کے ہیں اور ان تعلقات کو سامراج نے مسلط کیا ہے۔ دنیا میں قائم کیا جانا چاہئے۔ اور یہ نظام تمام ملکوں کے درمیان برابری اور انصاف کے اصولوں پر ان کے اقتدار اعلیٰ کے احترام اور باہمی تعاون پر مبنی ہو نا چاہئے۔

معاشی میدان میں نوآبادیات کا خاتمه کرنے، سامراجی ریاستوں کی استحصالی سرگرمیوں کا درباب کرنے، معاشی پس مندرجہ پر قابو پانے کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے اور نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے قیام سے والستہ دوسرا ترقی پسند چیزوں کو عملی شکل دینے کے لئے ترقی پذیر مالک کی جائز جدوجہد کی سو شلسٹ مالک حمایت کرتے ہیں۔ وہ سامراج کے خلاف ملٹی نیشنل کار پورٹشنوں کے تسلط و غلبہ کے خلاف اپنے وسائل کو کام میں لانے کے اپنے مقدار اعلیٰ حق کو منوانے کے لئے سامراجوں کے مسلط

کر دہ قرضوں کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرنے اور ایک نیا میں الاقوامی معاشی نظام قائم کرنے کیلئے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کی منصافت جدوجہد کی حمایت کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ میں اور اس کے باہر بھی سو شلسٹ ملکوں نے ترقی پذیر مالک کا ساتھ دیتے ہوتے ہیں میں الاقوامی معاشی تعلقات کی مادیانہ اور جمہوری بنیاد پر تشکیل نو کے حق میں ہمیشہ آواز بلند کی ہے۔

یہ قدر تی بھی ہے کیونکہ نو عمر ریاستوں کے اس معاملہ میں جو مطالبات ہیں ان کے بڑے حصے کو سو شلسٹ ملکوں اور ترقی پذیر مالک کے درمیان تعلقات میں پہلے ہی عملی شکل دی جا چکی ہے۔ یہ تعلقات انصاف اور برابری پر مبنی ہیں۔ اس کا اندازہ فارمین کونزیر نظر کتا بچہ (باب ۱ اور ۲) میں پیش کردہ حقائق اور دلائل سے ہو سکتا ہے۔ نتے میں الاقوامی معاشی نظام کے غیر حل شدہ مسائل کا جن پر بنیادی طور سے تیسرے باب میں بحث کی گئی ہے، اولیس طور پر تعلق ترقی پذیر اور سرمایہ دار ملکوں کے درمیان تعلقات ہے۔

## نئے طرز کے بین الاقوامی معاشی تعلقات

سامجی تعلقات میں رو نما ہوتے والے کسی بھی رجحان کا "ماضی، حال، مستقبل" کے سلسلہ کو سامنے رکھتے ہوتے جائزہ لینا ہمیشہ کار آمد ہوتا ہے۔ اس سے ان سوالوں کا کیا، کہاں، کس طرح، کب اور کیوں کا بہتر جواب دینے میں مدد ملتی ہے۔ آئیے ہم اس سلسلہ کو سامنے رکھتے ہوتے ہیں بین الاقوامی معاشی تعلقات کا جائزہ لیں اور رواں صدی کے آغاز، وسط اور موجودہ دہائی میں ان کا اگر لتفصیل سے نہیں تو اختصار کے ساتھ ضرور موازنہ کرنے کی کوشش کروں۔

۲۰ ویں صدی کے آغاز تک بڑی طاقتون نے ایشیا، افریقہ اور اوشیانا کو آپس میں بانٹ لیا تھا۔ مثلاً برطانیہ نے جن علاقوں پر قبضہ کیا تھا ان کا جمیعی رقبہ "اقالمک" کے رقبہ سے ۱۲ گناہ زیادہ تھا۔ اُس وقت ہر ایک انگریز کے حصے میں آٹھ ایسے افراد آتے تھے جو نہ آبادیوں میں اس کے لئے کام کر رہے تھے۔ فرانسیسی عیز ملکی مقبولیات کا سائز ۱۳ گناہ زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اور ان کا جمیعی رقبہ فرانس کے اپنے رقبہ سے ۲۰ گناہ زیادہ تھا۔

نوابدیاتی مقبولیات میں کہ درود لوگوں کی زندگی ان سرمایہ دار ریاستوں کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی جن کی معاشی ترقی کا سامان نوابدیاتی لوٹ کھوٹ سے ہوتا تھا۔ غلام عوام اپنے "آقاوں" کے عنخندہ کے ڈر سے برابری اور انصاف کا لفظ نہ بان پر لانے کی جارت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اور پھر ۱۹۱۴ء میں روس کا انقلاب ہوا جسے تاریخ میں عظیم انتوبرسو شلسٹ انقلاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پہلی بین الاقوامی کالفنرنس میں جس میں نہیں سوویت ریاست نے حصہ لیا تھا اور

جو ۱۹۲۲ء میں جینوا میں ہوئی تھی، اس کے نمائندے نے تمام ریاستوں کے مابین نتے اور برابری کے تعلقات کی ضرورت کا سوال اٹھایا۔

## جینوا سے آج تک

جینوا کا انقلش میں شرکت کرنے والے سوویت و فرنس کے لائچے عمل میں جسے لینن نے منظور کیا تھا، کہا گیا کہ ہماری بین الاقوامی اسکیم کی ندرت یہ ہونی چاہیے کہ نیگر دادر دوسری غلام قوموں کو کانفرنسوں اور کمپیوں میں یورپی قوموں کے مساوی شرکت کرے اور انہیں اپنے داخلی معاملات میں مداخلت کو روکنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔

یہ یقیناً انتہائی مفصل پروگرام تھا۔ یہ مستقبل کا پیر و گرام تھا۔ ظاہر ہے کہ سوویت ریاست اسے تن تہا انجام دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ اس وقت۔ اپریل۔ ۱۹۲۲ء میں اس کا بنیادی مقصد اپنے اقتدار اعلیٰ کی حفاظت کرنا، انتہائی قزانقانہ سرمایہ دار ریاستوں اور سوویتوں کی لوزمی اور رامن پسند و صرتی کے درمیان برابری کے معاشی تعلقات کی مثال پیش کرنا تھا۔ یہاں یہ یاد دلانا بے جا نہ ہو گا کہ سوویت جمہوریہ کا پہلا قانونی اقدام اکتوبر ۱۹۱۷ء کا فرمان امن تھا۔

کا انقلش ایک طرح سے میدان کارزار بن گئی۔ سوویت و فرنس کی ایک فہرست پیش کی گئی جن میں سے زیادہ تر کا تعلق عیزیز ملکیوں کے قومیائے گئے کارخانوں سے تھا اور جن کی مالیت ۱۸ ارب روپیہ تھی۔ دوسرے الفاظ میں سوویت جمہوریہ کو ہر سال اپنی قومی آمدنی کا ۲۰ فی صد اور اپنے ریاستی بحث کا تقریباً ۸۰ فی صد حصہ قرضوں کی ادائیگی کی نذر کرنا تھا۔ سوویت سفارت کاروں نے عیزیز ملکی فوجی مداخلت (۲۰-۱۹۱۸ء) سے اپنے ملک کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لئے ۳۰ ارب طلاقی روپیہ کا مطالبہ کیا۔

اس جوابی اقدام کی کامیابی میں ۱۴ اپریل ۱۹۲۲ء کو اطلاعی صحت افزام مقام رپالویں طے پانے والے اس سوویت۔ جرمن معاہدے کا بڑا باتھ تھا جس نے سامراجی طاقتوں کے سوویت دشمن مجاز میں دراڑڈاں دی تھی۔ روس میں قومیائے گئے کارخانوں کا معاوضہ طلب کرنے سے اس معاہدے کے تحت

جرمی کی دست برداری زبردست بین الاقوامی اہمیت رکھتی تھی۔ اس نے سرایہ دار ملکوں کے ساتھ مزید تجویزوں اور تعلقات کے لئے ایک اہم مثال قائم کر دی۔ یہاں اس کی ایک روشن مثال ہے۔

روس میں تیل کمپنیوں کی اس بین الاقوامی ایوسی ایشن کے صدر ہنری ڈیڑنگ نے جو سوویت تیل کا بائیکاٹ کرنے کے لئے جینوا کا لفڑی کے ایک ماہ بعد قائم ہوئی تھی، برآمد کنندہ کے لئے قابل قبول نئی شرائط پر سوویت تیل خریدنا شروع کر دیا۔ یہ ایوسی ایشن بمشکل تمام آدمی سال تک زندہ رہ سکی۔ اور اس کے بعد ڈھیر ہو گئی۔ ”بائیکاٹ بیم“ بے کار ثابت ہوا۔

اس کے تقریباً ۴۰ سال بعد فیڈل کاسترو نے جولاٹینی امریکہ میں پہلی سو شلسٹ ریاست کے قائد ہیں، ایک بار پھر یہ سوال اٹھایا کہ ”کون کس کا مالک ہے؟“ ترقی پذیر ملکوں پر بیرونی قرضوں کے زبردست بوجھ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ”لاٹینی امریکہ نے یورپ کی اور امریکہ کی ترقی کے لئے پہلے بالواسطہ اور پھر راست طور پر اپنا سونا اور دوسری قسمی دھانیں فراہم کیں اور مقامی آبادی کا اور افریقہ سے لائے گئے علاموں کے خون اور ریسیت سے اس ترقی کا انتظام کیا۔ ہم نے پوری پانچ صد یوں تک صنعتی ملکوں کی ترقی کے لئے سرایہ فراہم کیا اور یہی وجہ ہے کہ وہ دولت مند ہیں اور ہم غریب۔ میرے خیال میں وہ مقرض ہیں اور ہم قرض خواہ۔“ کیوں ابی رہنماء کے یہ الفاظ نہ صرف لاٹینی امریکہ بلکہ دوسرے علاقوں کے بارے میں بھی سچ ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۸۳ء سے ترقی پذیر مالک قرضوں اور ان پر لگاتے گئے سود کی ادائیگی کے طور پر جو رقم خرچ کر رہے ہیں وہ انھیں قرضوں کی صورت میں ملنے والی رسم سے کہیں زیادہ ہے۔

اس طرح تقریباً تمام نئے قرضے پرانے قرضوں کی ادائیگی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ لہذا غیر ملکی قرضے ان ملکوں کی ترقی پر جوان سے مستفید ہوتے ہیں، تباہ کن اثر ڈال رہے ہیں۔

سرایہ دار دنیا کے اندر بین الاقوامی معاشی تعلقات کے بہت سے دوسرے سنگین مسائل بھی ہیں، جن کا اور پر ذکر کیا جا چکا ہے۔ جب تک فائدوں کی تقسیم طاقت اور سرایہ کے اصول پر ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جب تک سامراج زندہ رہتا ہے، مالی کا حل ناممکن ہے۔

بین الاقوامی معاشی تعلقات کی تشکیل نو سے متعلق ترقی پذیر ملکوں کے مطالبات کی حمایت کرتے وقت سو شلسٹ مالک باہمی معاشی امداد کوںل کے اندر باہمی فائدے مند تعاون کے اپنے تجربے سے ان کی ترقی کی سطحیوں کو دھیان بیس رکھتے ہوتے ان کی شرکت کی نوعیت اور اسکا نات

سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ہم اس کو نسل اور اس کی سرگرمیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہیں گے تاکہ ترقی پذیر ملکوں میں اپنے قارئین کو بین الاقوامی معاشی تعلقات کے سو شلٹ مخونے سے واقف کر سکیں۔ اس طرح کے تذکرے کی ضرورت ایک اور وجہ سے بھی ہے۔ نئے منصافانہ بین الاقوامی معاشی تعلقات قائم کرنے کے لفڑے اور مطالبات آج زیادہ سے زیادہ مالک اور رہنماء بلند کر رہے ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت سوں کو یہ نہیں معلوم نہیں کہ ان لفڑوں اور مطالبات کو سب سے پہلے عملی شکل باہمی معاشی امداد کو نسل کے اندر دی گئی تھی۔

## ایک اہم عنصر

بازی معاشی امداد کو نسل ۱۹۷۹ء میں قائم کی گئی تھی۔ اور آج اس میں بلغاریہ، ہنگری، دینام، جرمن جمہوری ریپبلک، یکو با، منگولیا، پولینڈ، روپانیہ، سوویت یونین اور چیکو سلوواکیہ شامل ہیں۔ دنیا کی صنعتی پیداوار میں آج باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ملکوں کا حصہ تقریباً ایک تہائی ہے۔ ان ملکوں کی صنعتی صلاحیت مشترکہ منڈسی کے ملکوں کی مجموعی صلاحیت سے زیادہ ہے۔

بازی معاشی امداد کو نسل ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جو سرمایہ دار ملکوں کی اس سے پہلے کی اور آج کی تمام معاشی ایسوں ایشوں سے بالکل مختلف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جبکہ سرمایہ دار ریاستوں کے درمیان تعلقات ان کی اپنی بین الاقوامی تنظیموں کے اندر بھی سخت مقابلے اور جدوجہد کے تعلقات ہوتے ہیں۔ سو شلٹ ملکوں کے درمیان اس طرح کا کوئی مقابلہ نہیں ہوتا ہے۔ باہمی معاشی امداد کو نسل کے ملکوں کے درمیان بہت کچھ مشترک ہوتا ہے۔ ان کے سماجی معاشی نظام یکساں ہیں جن کی بنیاد پیداوار کے بنیادی ذرائع کی عوامی ملکیت ہے۔ ریاست اور سماج کے بارے میں ان کے خیالات یکساں ہوتے ہیں۔ باہمی معاشی امداد کو نسل کا ایک اصول یہ ہے کہ ہر ملک کے مفادات ساری برادری کے مفادات سے بڑے اور ہم آہنگ ہوتے ہیں اور رکن ملکوں کے قطع نظر اس کے کہ ان کا رقبہ کتنا ہے، ان کی

آبادی کتنی ہے، اور ان کی معاشی صلاحیت کیا ہے، افتاد را علی اور ملکی برابری کا احترام کیا جاتا ہے۔ نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے قیام کے لئے ترقی پذیر مالک جو جدوجہد کر رہے ہیں یہ کیا اس کا ایک مقصد یہ نہیں ہے؟ باہمی معاشی امداد کونسل کے اندر فیصلوں پر بحث میں اور ان کی منظوری میں پسند خود کے اصول کی سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی ہے۔ اگر کونسل کے کسی پر اجکٹ میں کوئی ایک ملک یا کسی مالک شرکت نہیں کرنا چاہتے ہیں تو اس سے اس کی اجتماعی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

باہمی معاشی امداد کونسل کے رکن ملکوں کے درمیان تعلقات باہمی فائدے اور امداد کے اصول کے مطابق ترقی کرتے ہیں۔ مثلاً بیردنی تجارت میں اس اصول کا اظہار ملکوں کے درمیان یکساں دین دین میں ہوتا ہے۔

باہمی معاشی امداد کونسل کے تقریباً ۴۰ بین الاقوامی<sup>۱</sup> بین حکومتی اور غیر حکومتی تنظیموں کے ساتھ تعلقات ہیں۔ ان تنظیموں کے ارکان میں مختلف سماجی، سیاسی نظاموں کے حامل مالک شامل ہیں۔

باہمی معاشی امداد کونسل فن لینڈ، عراق اور میکسیکو کے ساتھ بیز سو شلسٹ اور سرمایہ دار دولوں ملکوں کی مختلف بین الاقوامی تنظیموں کے ساتھ سرگرمی سے تعاون کرتی ہے۔ بین الاقوامی بینک برائے معاشی تعاون<sup>۲</sup> اور بین الاقوامی سرمایہ کارسی بینک<sup>۳</sup> جیسی سو شلسٹ ملکوں کی بین الاقوامی معاشی تنظیموں کے ساتھ باہمی معاشی امداد کونسل کے بالخصوص قربی روابط ہیں۔ باہمی معاشی امداد کونسل کے اقوام متحده کی خصوصی ایجنسیوں اور اداروں کے ساتھ بھی وسیع روابط قائم ہیں۔

باہمی معاشی امداد کونسل کے دروازے ایسے تمام ملکوں کے لئے کھلے ہیں جو اس کے مقاصد اور اصولوں سے اتفاق کرتے ہیں۔ اور جو اس کے منشور میں درج ذمے دار یوں کو اختیار کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ بعض ایسے مالک بھی جو باہمی معاشی امداد کونسل کے رکن نہیں ہیں، اس کی بعض ایجنسیوں کے کام میں حصہ لیتے ہیں۔ یوگوسلاویہ ایک سمجھوتے کے تحت کونسل کی ایجنسیوں کے کام میں سرگرمی سے حصہ لے رہا ہے۔ عوامی جمہوریہ کوریا، عوامی جمہوریہ لاوس اور عوامی جمہوریہ یمن اس کے کام میں

<sup>۱</sup> بین الاقوامی بینک برائے معاشی تعاون سو شلسٹ ملکوں کا بین الاقوامی بینک ہے۔ وہ باہمی معاشی امداد کونسل کے رکن ملکوں کے درمیان معاشی تعاون کو اور ان کی معاشی ترقی کو فروغ دینے نیز ان کے تجارتی تعلقات کو توسعہ دینے کیلئے ۱۹۴۲ء میں قائم کیا گیا تھا۔

<sup>۲</sup> بین الاقوامی سرمایہ کارسی بینک سو شلسٹ ملکوں کی ایک ایسی بین حکومتی تنظیم ہے جو رکن ملکوں کو قرضہ دیتی ہے۔ اس کا قیام ۱۹۴۰ء میں عمل میں آیا تھا۔

مبصرن کی حیثیت سے حصہ لیتے ہیں۔ عوامی جمہوریہ انگولا اور سو شلسٹ ایچوبیا کے ساتھ کثیر رخی روابط قائم کئے جاتے ہیں۔

## تعاون کے ثمرات

بامبھی معاشی امداد کو نسل دنیا کی واحد ایسی یونین ہے جس میں رکن ملکوں کی معاشی ترقی کی سطح میں موجود فرق کو دور کرنے کا فریضہ کامیابی سے انجام دیا جاتا ہے معاشی ترقی میں ان کی کامیابیاں اور ان کے ما بین وسیع تر ہوتا ہوا تعاون اس عمل کو تیز رفتار بناتے ہیں۔

اس سلسلہ میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ معاشی ترقی کی سطح میں موجود فرق کو دور کرنے کیلئے زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کی معاشی ترقی کی رفتار کو دھیما نہیں کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر چیکو سلو ایکہ اور جرمن جمہوری ریپبلیک جو سو شلزم کی تعمیر شروع ہونے سے پہلے صنعتی طور پر ترقی یافتہ تھے، اپنی میشتوں کو آج بھی تیز رفتار سے ترقی دے رہے ہیں۔ جرمن جمہوری ریپبلیک نے اپنے قیام کے ۳۰ برسوں میں اپنی صنعتی پیداوار ۹ گنا بڑھائی ہے۔ اس سے یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ سو شلزم صرف پس مندہ ملکوں میں ہی ترقی کو ممکن بناتا ہے۔

بعض ملکوں کے درمیان اور حد تو یہ ہے کہ علاقوں کے درمیان بھی فرق ہو سکتا ہے اور ان کے معیار زندگی میں کسی قدر نا برابری ہو سکتی ہے۔ یعنی نے کہا تھا کہ قوموں اور ملکوں کے درمیان فرق سو شلزم کے حالات میں بھی کافی عرصہ تک باقی رہیں گے۔

ایک جیسے سماجی سیاسی نظام کے حامل سو شلسٹ مالک اپنے علاقے اور اپنی آبادی کے لحاظ سے ابھی بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بامبھی معاشی امداد کو نسل کے سب میں بڑے اور سب سے چھوٹے ملکوں کے علاقوں کے درمیان ۲۵۰ اور اکانت ناسب ہے۔

سو شلسٹ برادری کے مالک جغرافیائی طور پر بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مثلاً وہ الگ الگ برا عنظموں میں واقع ہیں۔ پچھہ مندری ساحل پر واقع ہیں اور پچھر دور موسیٰ حالات،

زمیں، پانی، جنگلات اور معدنیات کے وسائل کی دستیابی کے لحاظ سے بھی ان میں فرق ہے۔ ہرملک کی اپنی خصوصیات، اپنی روایات اور نسلی و قومیتی ندرتیں ہیں۔ سوٹلٹ ریاستوں کا بیاسی اور جغرافیائی محل و قوع بھی کافی اہمیت رکھتا ہے۔ سوٹلٹ برادری کے اصل مرکز سے دوری اور جارحانہ سامراجی یا سامراج لواز ریاستوں سے قربت ہی وہ اصل عنصر ہے جس کی وجہ سے وینام اور کیو با میں سوٹلٹ م کی تعمیر بالخصوص پیچیدہ حالات میں ہو رہی ہے۔

اس سب کے باوجود سابق پس مندہ ملکوں نے دوسری سوٹلٹ ریاستوں کے تجربے اور حمایت پر اخخار کرتے ہوئے اپنی معاشی اور تہذیبی ترقی میں نیز اپنے عوام کا معيار زندگی بلند کرنے میں شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

مثال کے طور پر منگولیا میں زبردست تبدیلیاں آئی ہیں۔ یہاں کی آلان بطور اسٹیٹ یونیورسٹی اور جمہوریہ کی سائنس اکادمی کے اداروں میں مجھے لیکھر دینے کا موقع ملا تھا۔ عوامی جمہوریہ منگولیا جو کھسی زمانے میں نوا بادیاتی زنجروں میں جکڑا ایک پس مندہ ملک تھا اور وہاں جاگیرداروں کا راج کھا، آج ترقی یافتہ زراعت اور صنعت کا حامل بن گیا ہے۔ آج تقریباً ایسا ک (منگولیا کا انتظامی ڈسٹرکٹ) میں برقی انجینئرنگ کی اپنی سہولیات ہیں۔ ملک کے وسطی اور شمالی حصوں کے صنعتی مرکزوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے کے لئے ایک برقی گرد فائم کیا جا رہا ہے۔ منگولیا میں عوام کی تہذیبی سطح بلند کرنے کے لئے بھی بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اس سلسلے میں بیلے اور اوسپیرا کے عالیشان ایوان کا ہی ذکر کرنا کافی ہوگا۔ جس کے کلا کار دنیا کے بہترین رقصوں اور گلوکاروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

میں کیو بھی جاچکی ہوں۔ میں کیو باکے لوگوں کی رجابت پسندی اور مستقبل میں ان کے لیقین و اعتماد کی نیز معاشی اور سماجی میدانوں میں ان کی کامیابیوں کی مدد ہوں۔ نکل کے اپنے بھنڈاروں کے معاملہ میں کیو بادنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے باوجود وہ ۱۹۵۹ء کے انقلاب تک جس میں امریکہ نے باستاد کیٹر کا تختہ الٹ دیا گیا تھا، اپنی اس دولت کو اپنے عوام کے فائدے کے لئے کام میں نہیں لاسکا تھا۔ اس وقت نکل کی کانگنی امریکہ کی دو کمپنیوں کے قبضہ میں تھی۔ چینی کی پیداوار پر بھی امریکی سرپری طرف کا قبضہ تھا۔ امریکی کمپنیاں چینی کو صاف کرنے کے کارخانوں پر ہی نہیں بلکہ گھنے کی کاشت کی بہترین زمین پر بھی قابض تھیں۔

باوجود اس کے کہ سوٹلٹ م کے راستے پر کیو باکا سفر شروع ہوتے ہی امریکی سامراج نے اس کی معاشی ناکہ بندی کر دی تھی۔ لاطینی امریکہ کے اس جزیرہ کی آزادی نے نہ صرف اپنی روایتی بلکہ برقی انجینئرنگ اور دعات سازی جیسی نئی صنعتوں کے فروع میں اہم کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

سوشلسٹ اقتدار کے برسوں میں تمام میداںوں کے ماہرین کی تعداد کافی بڑھی ہے۔ بے روزگاری کا مکمل خاتمہ کیوبانی انقلاب کی ایک عظیم کامیابی ہے۔ ۱۹۵۹ء سے پہلے ملک کی ایک نہایتی سے زیادہ صحت مندا آبادی پے روزگار تھی۔ شہروں میں چند ایک ڈاکٹر تھے اور دیہاتوں میں تو ڈاکٹر جیسی چیز دیکھنے کو بھی نہیں ملتی تھی۔ آج صورت حال بالکل مختلف ہے۔

بازہمی معاشی امداد کوںسل کے ملکوں نے بین الاقوامی تعاون میں کیا بنا حصہ ادا کیا ہے؟ انہوں نے بین الاقوامی معاشی زندگی کے فوائد اور موقع کو سوشاپلیٹ باہمی امداد کی بنیاد پر اجتماعی طور پر کام میں لانا شروع کیا اور معیشت، سیاست اور آئینہ یاوجی سمیت تمام میداںوں میں تعاون کی ترقی پسند اشکال کا ایک نظام وضع کیا۔

انہوں نے اجتماعی طور پر ایک نئی زندگی کی تعمیر کرنے، انقلابی کامیابیوں کی حفاظت کرنے، جوابی انقلاب برپا کرنے کی کوششوں کا منہ توڑ جواب دینے کی سوشاپلیٹ کی طاقت و صلاحیت کو آشکارا کیا۔ مثال کے طور پر کوریا اور وینا میں سامراجی جارحیت کے دوران اور نگری نہر چین کی سلاسل کی میں انقلاب دشمن کا روایوں کے دوران ایسا ہی ہوا۔

بازہمی معاشی امداد کوںسل کے ملکوں کے تجربے سے الگ الگ ملکوں اور اجتماعی طور پر ان کی بادری کی سماجی معاشی ترقی کے لئے سوشاپلیٹ بین الاقوامیت کی اثر انگلیزی کارروشن ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ وہ سماجی ترقی کے لحاظ سے آج کی دنیا میں سب سے زیادہ تیز رفتاری سے ترقی کرنے والے ملکوں کا گردب پ ثابت ہوتے ہیں۔

## معاشی اتحاد عمل

آج کے حالات میں ایسی ریاستیں جن کی داخلی منڈی محدود ہے اور جن کے پاس ناکافی قدر ترقی دسائیں ہیں۔ (ایسی ریاستوں کی اکثریت ہے) اپنی ضرورت کا تمام سامان پیدا کرنے کی اہل نہیں ہیں۔ لہذا انہیں اپنے یہاں ایسی صنعتیں قائم کرنی چاہیں جن کے لئے ان کے یہاں حالات استھانی سازگار ہیں۔

اس طرح کی صنعتوں کی پیداوار عام طور سے ان کی قومی ضروریات سے زیادہ ہوتی ہے۔ ساختہ ہی ساختہ ہر ریاست کو کچھ ایسی چیزوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو وہ اپنے یہاں یا تو بالکل پیدا نہیں کر سکتی یا پھر جن کی تیاری کے لئے اسے بے حد سرمایہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پیر فنی معاشی تعلقات میں دلچسپی کی بھی وجہ ہے اور سائنسی، تکنیکی اقلاب کی ترقی کے ساتھ ساختہ یہ دلچسپی بھی بڑھ جاتی ہے۔

سائنسی ترقی نے بالکل نئی صنعتوں کو عین معمولی اہمیت اور ترجیح دی ہے۔ اور ایسی ریسرچ و ترقی کو فروع دیا ہے جو بہت ہنگی ہونے کے باوجود اپنے اوپر خرچ ہونے والی رقم کو تیزی سے واپس بھی کر دیتا ہے۔ نیز اس نے تعاون اور تخصیص کاری کے میدان کو بھی وسیع کیا ہے۔ یہ فریفے میں الاقوامی بنیاد پر کم سے کم سرمایہ سے اور زیادہ سے زیادہ معاشی فائدے سے انجام دیتے جاسکتے ہیں۔

یکجہتی کے سلسلہ ہائے عمل میں مختلف صنعتی، سائنسی، تکنیکی اور معاشی صلاحیت کے حامل مختلف مالی، قدرتی اور افرادی قوت کے وسائل کے مالک اور مختلف سماجی معاشی نظاموں والے مالک شامل ہیں۔ اس بنیاد پر بورڈ وہ ماہرین عہدینا ہیں کہ سوٹسٹ اور سرمایہ دارانہ یکجہتی یکساں یا ملتی جلتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یکجہتی کی مختلف شکلیں اس معنی میں ایک ہیں کہ ان کی بدولت مالک اپنے سماجی معاشی نظام کے قطع نظر سماجی پیداوار کی اثر انگیزی بڑھانے، تکنیکی ترقی کی شریعیں بلند کرنے اور ایکپورٹ کے امکانات کا دائرة وسیع کرنے جیسے ہمارے زمانے کے کلیدی وسائل کو حل کر سکتے ہیں۔

یہ اسکا لغطہ نتائج پر پہنچنے کے لئے صحیح حقائق کا استعمال کرتے ہیں۔ سوٹسٹ اور سرمایہ دارانہ یکجہتی میں فرق ہے۔ جس کے بنیادی اسباب درج ذیل ہیں:

پہلے تو یہ کہ سوٹسٹ یکجہتی پیداوار کے بنیادی ذرائع کی عوامی ملکیت پر مخصر ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ ذرائع محنت کش عوام کی ملکیت ہیں۔ لہذا یہ یکجہتی اپنے اندر شامل ملکوں کے عوام کی مفادات کی عکاسی کرتی ہے۔ بخی ملکیت پر بنی سرمایہ دارانہ یکجہتی بڑی بڑی اجرہ داریوں کے ہاتھوں میں ہے اور وہی اسے چلاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ سوٹسٹ معاشی یکجہتی کا اصلی مقصد ہے سماجی پیداوار کی اثر انگیزی بڑھانا اور سماجی معاشی ترقی کی رفتار کو بلند کرنا تاکہ اس طرح محنت کش عوام کی خوش حالی، بہبودی بڑھانی جاتے۔ یہ کام برادری کے تمام ملکوں کے قومی اور ملکی مفادات کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ یکجہتی کا اصل مقصد عالمی منڈیوں میں ایک دوسرے کوچھاڑنے کی جگہ جہد میں بڑی بڑی اجرہ داریوں کی پوزیشنوں کو مصبوط بنانا اور حد سے زیادہ منافع حاصل کرنا ہے۔

تیسرا یہ کہ سوٹسٹ یکجہتی، ذرائع پیداوار کی عوامی ملکیت کی وجہ سے منصوبہ بند عمل ہے

جیکہ سرمایہ دارانہ بحث کو بنیادی طور پر آزاد منڈی کی خود روتوں کرتی ہیں۔ گوکہ سرمایہ دار یا اسیں بحث کے عمل میں مشغول بندی کے بعض عناء صراحت کرنے کی کوشش کرتی ہیں، بخی سرمایہ اور کار و بار کے حالات میں خود روادر نر اجی عناصر کے اثر کا مکمل خاتمه ناممکن ہے۔

چونتھے یہ کہ سو شلسٹ بحث کو رضا کارانہ بنیاد پر اور شرکی ملکوں کے مکمل اقتدار اعلیٰ کا لحاظ کرتے ہوئے عمل میں لایا جاتا ہے۔ اس میں ایسے کوئی مادرے قومی ادارے شامل نہیں ہوتے جن سے تعاون کرنے والے ملکوں کے حقوق پرروک لگے۔ باہمی معاشی امداد کو نسل کے ہر ملک کو قطع نظر اس کی معاشی صلاحیت کے تنظیم اور اس کی ایجنسیوں کے دائرہ اختیار کے معاملات کا فیصلہ کرنے میں ایک ووٹ حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ سرمایہ دار مالک اپنی بحث میں جو حصہ ادا کرتے ہیں اس کا انحصار ان کے ملک کے ساز ان کی سیاسی و معاشی طاقت یا تنظیم کے سرمایہ میں ان کے حصہ پر ہوتا ہے۔

اسے یوں دیکھا جاسکتا ہے کہ یورپی معاشی برادری کی ہر رکن ریاست کا یورپی کونسل میں ایک نمائندہ ہے۔ لیکن ان کے دو لوگوں کی تعداد الگ الگ ہے۔ برطانیہ، مغربی جرمنی، فرانس اور اٹلی کے دس دس، پنجیم اور ہلینڈ کے پانچ پانچ، آرلینڈ اور ڈنمارک کے تین تین اور لکسمبرگ کے دو ووٹ ہیں۔ اس طرح تنظیم کی رکن بعض ریاستوں کی حکومتوں اور عوام کی مرضی کے خلاف فیصلے کئے جاسکتے ہیں۔ باہمی معاشی امداد کو نسل کے منشور کے تحت کو نسل کی تمام سفارشات اور فیصلے متعلقہ ملکوں کی رضامندی سے کئے جاتے ہیں۔ ان سفارشات کا اطلاق ان ملکوں پر نہیں ہوتا ہے، جو یہ اعلان کر جکے ہوتے ہیں کہ اس معاملہ میں انھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ہے۔ منشور میں پیدا کی گئی اس سہولت کی بدولت باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن مالک دوسرے ساتھیوں پر اپنی مرضی مسلط کئے بغیر کچھ ایسے فیصلہ کر سکتے ہیں، جن کا تعلق صرف ان سے ہو۔ اس طرح یہ ضمانت موجود ہے کہ باہمی معاشی امداد کو نسل ایسے فیصلے اور سمجھاو و ضعف نہیں کر سکتی جن سے کسی ایک بھی ملک کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہو یا اس کے کسی رکن کو ایک طرفہ فائدے حاصل ہوتے ہوں۔

## سائنسی و تکنیکی انقلاب اور بحث

آج سائنسی و تکنیکی انقلاب سماجی زندگی کے تمام میدانوں میں بنیادی تبدیلیاں لارہا ہے۔ وہ انتہائی موثر مشینوں، اوزاروں اور موادوں کی تیاری کے لئے پیداواری تکنالوجی کی کاپیاپٹ کرنے،

پیداوار کی کو الٹی بہتر کرنے اور ان کی لگت میں نمایاں کمی کرنے کیلئے جیران کھن امکانات پیدا کر رہا ہے۔ دنیا کی سائنسی و تکنیکی صلاحیت میں آج باہمی معاشی امداد کو نسل کے ملکوں کا حصہ تقریباً ایک تہائی ہے۔ ان کے یہاں تحقیقی مرکز اور تجرباتی سہولیات کا ایک گھنائی اور سائنسی و تکنیکی ترقی کے راستی انتظام کا ایک کارگر نظام کام کر رہا ہے۔

سو شاستھ مالک کو یقین ہے کہ سائنسی و تکنیکی یکجہتی واحد ایسی قابل بھروسہ چیز ہے جس کے ذریعہ وہ آج کے حالات میں بہ حیثیت مجموعی اپنی برادری کی اور اس کے ہر رکن کی سائنسی و تکنیکی کامیابیوں کا اطلاق کر سکتے اور سائنسی و تکنیکی صلاحیت واستعداد کو انتہائی معقول ڈھنگ سے کام میں لاسکتے ہیں۔ اس کا بالآخر مقصد یہ ہے کہ سو شاستھ برادری کے تمام مالک سائنسی و تکنیکی انقلاب کی کامیابیوں کا انتہائی موثر طور پر اور مستعدی کے ساتھ استعمال کر سکیں۔ سائنس اور تکنالوجی کے میدان میں کو نسل کے رکن ملکوں کی یکجہتی کی ضرورت کو کئی چیزوں نے لازم بنادیا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ کہ اہم سائنسی مسائل کے حل کے لئے یہ ضروری ہے کہ ذہنی اور مادی وسائل کو زیادہ سے زیادہ مرکوز اور مجمعع کیا جائے۔ تمام سائنسی اور تکنالوجیکل سمنتوں میں ہم وقتی ترقی کے لئے سائنسی و تکنیکی ترقی کے تمام میداںوں میں موثر رسیرچ کے لئے یہ اور بھی ضروری ہے۔

اگر کسی ملک کو دوسرا پیداواروں یا تکنالوجی کے بدلوں میں اپنی ضرورت کی پیداواریں یا ان کی تیاری کالائنس کم قیمت پر مل جاتا ہے تو اسے تمام تکنالوجیوں کو فردی غرض دینے اور تمام قسم کی چیزوں میں تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ ایسی صنعتوں میں جن میں سبقت لیجانے کا بہتر امکان ہوتا ہے اور جن کی خصوصی پیداواروں کو دوسرے ملکوں کی منڈیوں میں پہنچانا یقینی ہوتا ہے۔ سرمایہ لگانا اور سائنسی و تکنیکی وسائل کو مرکوز کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔

اس طریقہ کار کو ایسا قطعی اصول تصور کرنا غلط ہو گا جسے ہر جگہ اور ہر موقع پر متعلقہ ملک کی ترقی کے خصوصی حالات کی پرواہ کئے بغیر لاگو کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں متعلقہ ملک کا سائز اس کے قدر ترقی، تکنیکی اور افرادی قوت کے وسائل اور عالمی میکیت میں اس قیام جیسے عناصر بھی کم اہم نہیں ہیں۔ کسی چیز کی تیاری خود شروع کی جاتے یا نہ کی جائے اس سوال کا جواب متعلقہ ملک کی صنعتی روایتوں پر ادائیگیوں کے اس کے توازن پر، تجارتی توازن پر، عالمی منڈی میں مطلوب چیزوں کی سپلائی پر اور ان کی حوالگی کی بھروسہ منڈی پر کبھی منحصر ہوتا ہے۔ ایسی صنعتوں کے معاملہ میں جو قومی سلامتی کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہیں، یہ عناصر اور بھی زیادہ اہم ہیں۔

یہ کوشش کہ ”ہر چیز اپنی تیار کر دہ ہو“ بہت مہنگی اور غیر کفایتی بن گئی ہے۔

ایک بڑا اور اہم ملک بھی دوسرے ملکوں کے ساتھ معاشری تعاون کو مسلسل گھر ابنائے بغیر سامنی و تکنیکی ترقی کا تصور نہیں کر سکتا۔ نہ ہی اس تعاون کا انٹر تحقیقی اور ترقیاتی اخراجات کی سیدھی پچت تک محدود ہے۔

مثلًا تعاون سے باہمی معاشری امداد کو نسل کے رکن ملکوں کو بہت سی جدید صنعتیں شروع کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ان میں پولینڈ میں نئی نئی قائم ہونے والی آٹوموبائل اور سمندری جہاز سازی کی صنعتیں، بلغاریہ میں زرعی مشینری کی صنعت، چیکو سلوواکیہ میں بال بیئنگس اور جمن جمہوری ری پبلک میں سمندری جہازوں کی تیاری کی صنعتیں شامل ہیں۔

دوسرے یہ کہ باہمی معاشری امداد کو نسل کے ملکوں کی سامنی یکجہتی انہیں غیر ضروری ریسرچ پرو سائل صنائع کرنے سے روکتی ہے اور ان کی ریسرچ کی معاشری اثر انگیزی کو کافی بڑھاتی ہے۔

تیسرا یہ کہ سامنی اور تکنیکی یکجہتی سو ششٹ برادری کے صفتی طور پر کم ترقی یافتہ ملکوں میں تحقیقی و تجرباتی ادارے قائم کرنے کے پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنے کا سب سے کارگر طریقہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں سو ششٹ یکجہتی شریک ملکوں کی معاشری، سامنی اور تکنیکی ترقی کی طبوں میں فرق کو دور کرتی ہے۔ حالیہ برسوں میں باہمی معاشری امداد کو نسل کے ملکوں کی مشترکہ مساعی سے متعدد ایسے میں الاقوامی مرکز لیبوریٹریاں، ریسرچ اور پیداواری انہیں اور ادارے وغیرہ قائم ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے تال میل پیدا کرتے ہیں۔

سو ششٹ یکجہتی کوئی اذ خود عمل نہیں ہے اور وہ نراجی انداز میں ترقی نہیں کر سکتی۔ باہمی معاشری امداد کو نسل کے رکن ملکوں کی معاشری یکجہتی کی منصوبہ بند ترقی عالمی سو ششٹ نظام کی صلاحیتوں کو معاشری اور کنٹی دوسرے میداںوں میں بمقصد طور پر منصب کرنے کی ایک شکل ہے۔ اس میں مختلف عوامی تنظیموں، علاقوں، شہروں، کارخانوں و پلانٹوں، تعلیمی اداروں اور اخبارات وغیرہ کے درمیان سامنی و تہذیبی روابط اور تعلقات کو فروع دینے کے منصوبوں کا تال میل اور ان کی عمل پذیری شامل ہے۔

## مربوط پروگرام

منصوبہ بند تعاون کی ایک شکل باہمی امداد کو نسل کے رکن ملکوں کے قومی ترقیاتی منصوبوں میں ربط اور تال میل بھی ہے۔ اس رضاعت کا رانہ مشترکہ منصوبہ بند کی کامقصد اہم معاشری مسائل حل کرنا ہے۔ بر قی انجنینرینگ

کئی جس میں نیوکلیاٹی، بر قی پیداوار بھی شامل ہے۔ لو ہے اور فولاد کی صنعت، وھات کاٹنے والی مشینوں کی تیاری، زراعت میں استعمال ہونے والی مشینری اور کمیابی میں مواد دل کی تیاری کی صنعت کی ترقی کے با رے میں پیش قیاسیاں بھی کی جاتی ہیں۔ اس بات کا بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ملکوں کو ۱۹۹۰ء تک اور ۱۹۹۵ء سے لے کر سال ۲۰۰۰ء تک کتنے ایندھن کی ضرورت ہو گی۔

باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن مالک متعدد کثیر فریقی سمجھتوں پر بھی عمل کر رہے ہیں۔

باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ملکوں نے طویل مدتی تعاون کے پانچ الگ الگ پروگرام منظور کئے ہیں۔

— ایندھن، توانائی اور خام مواد دل کے میدان میں —

— زراعت اور غذائی صنعت کے میدان میں —

— مشین سازی کے میدان میں —

— اشیاء صارفین کی تیاری اور ایک دوسرے کو ان کی سپلائی کے، اور —

— ٹرانسپورٹ روابط کے فروع کے میدان میں —

ہنگری میں اکادمن بس اور سوویت یونین میں لادا کار کی تیاری بار آور کثیر فریقی تعاون کی مخصوص مثالیں ہیں۔ اکادمن بس کے لئے فرتٹ ایکسل اور شاک آبزرور سوویت یونین سے کارڈن شیفت اور سیٹیں جرمن جمہوری ری پبلک سے ہاڈر الک یو سٹر ز اور ونڈ شیلد دا پرسز چیکیو سلو ایکہ اور پولینڈ سے آتے ہیں۔ لادا کار بلغاریہ ہنگری، پولینڈ اور چیکیو سلو ایکہ اور یوگوسلاویہ کی مدد سے بنائی جاتی ہے۔

اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ ہمارے قاری کو یہ جاننے میں دلچسپی ہو گی کہ سو شلسٹ برادی کے ملکوں کی ایندھن، توانائی اور خام مواد دل کی اساس کو ترقی دینے کے لئے کیا کیا جا رہا ہے۔ اس اساس کو ترقی دینا ان کی تکمیل کا ایک بنیادی نصب العین ہے۔

تمام صنعتوں کی ٹرانسپورٹ اور زراعت کی ترقی کی اعلیٰ شرحوں کو اور اس ناطے رہن سہن کے معیاروں کو بلند کرنے کی منصوبہ بند شرحوں کو یقینی بنانے کے لئے اس مسئلہ کا فوری حل ضروری ہے۔

ایندھن، توانائی اور خام مواد دل کی سپلائی اس وقت اور خاص طور سے مستقبل کے لئے ایک سنگین مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی معاشی امداد کو نسل کے مالک تیزی سے ترقی کر رہے ہیں۔

اور اس وجہ سے خام مواد دل، ایندھن اور بجلی کی کھیپت بڑھ رہی ہے۔ سو شلسٹ برادی کے پاس معدنیات کے کافی و افرو سائل ہیں۔ اس کے پاس خام لو ہے کے عالمی بھنڈاروں کا ۳۳ فی صد، کوئی کے بھنڈاروں کا ۷۰ فی صد، مینگیر اور اپاٹھامائیز کے ذخائر کا ۴۶ فی صد حصہ ہے۔ لیکن ایندھن اور توانائی

کے ان وسائل کی ملکوں کے درمیان تقسیم برابر برابر نہیں ہے۔ سو دیت یونین کو جھوڑ کر کو نسل کے رکن باقی تمام ملکوں کے پاس یہ وسائل کم تعداد میں ہیں یا ان کے پاس ان میں سے صرف دو یا تین وسائل ہیں ایندھن اور خام موادوں کے وسائل میں سو دیت یونین کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ آئیے اس پہلو پر زیادہ تفصیل سے غور کریں۔

سو دیت یونین دنیا کا واحد ایسا ملک ہے جو ایندھن اور خام موادوں کے صرف اپنے وسائل سے اپنی قومی معیشت کو ترقی دے سکتا ہے خام موادوں اور ایندھن کی کمی کی وجہ سے باہمی معاشی امداد کو نسل کے بیشتر ملکوں کو یہ وسائل دوسرے ملکوں سے خاص طور سے سو دیت یونین سے برآمد کرنا پڑتے ہیں۔

باہمی امداد کو نسل کے رکن ملکوں نے ایندھن تو انائی اور خام موادوں کی سپلائی کے مسئلہ کے حل سے متعلق اپنے جامع پروگراموں کی صورت گردی میں کیا ٹھوس نتائج حاصل کئے ہیں اور اگلی پانچ سالہ مدتلوں میں وہ اس سمت میں کون سے قدم اٹھانا چاہتے ہیں۔

اس میدان میں باہمی معاشی امداد کو نسل کے ملکوں کے بعض اہم پر اجکٹ درج ذیل ہیں:

انھوں نے دنیا کی ایک سب سے بڑی سویوز گیس پاپ لائٹ کی مشترکہ تعمیر حالت ہی میں بخشن کی ہے۔ ۲۴۸۰ کلومیٹر لمبی یہ پاپ لائن جنوبی یورال میں اور نبرگ کے قریب سے شروع ہو کر سو دیت یونین کی مغربی سرحد تک جاتی ہے۔ اس پاپ لائن کے راستے میں ۲۲ کمپریشن، کمپریشن، کمپریشن، سرکاری عمارتیں سڑکیں اور بجلی کی لائینیں تعمیر کی گئی ہیں۔ اس بین الاقوامی پر اجکٹ پر کل ملا کر ۱۶ ہزار افراد نے کام کیا تھا۔

ایک سمجھوتے کے تحت جو گیس کی سپلائی کے پہلے دن سے لے کر ۲۰ برسوں تک نافذ رہنے والے گاٹریک ملکوں کو اس رقم کے بد لے میں جوانھوں نے پاپ لائن کی تعمیر میں خرچ کیا ہے، قدرتی گیس میں لے گی۔

ہنگری، بلغاریہ، پولینڈ، سو دیت یونین اور چیکو سلوواکیس نے ونکسا (سو دیت یونین) اور البرٹر سا (ہنگری) کے درمیان ۵۰ کلومیٹر کی بڑی اور لائٹ کی گرد کا ایک حصہ ہے، جس کی بدولت باہمی معاشی امداد کو نسل کے مرلوٹ برقی گرد کا ایک حصہ ہے، جس کی بدولت باہمی معاشی امداد کے رکن یورپی ملکوں کے لئے بجلی کی سپلائی میں قابل لحاظ اضافہ کرنا اور بجلی کے زیادہ خرچ کے اوقات میں برقی گرد پر پڑنے والے بوجھ کو کم کرنا ہے۔

نیوکلیانی پاگر گھروں کی تعمیر کے ذریعہ بجلی کی پیداوار بڑھانے سے بھی ایندھن اور تو انائی کے مسئلہ کو حل کرنے میں بیش قیمت مدد ملتی ہے۔ نیوکلیانی برقی انجنئرنگ کے لئے کافی سرمایہ کی، انتہائی ہرمند کارکنوں اور قبیلی خام موادوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تمام مسائل باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن تمام

ملکوں کی اجتماعی ماعنی سے حل کتے جاتے ہیں۔ یہ مالک نیوکلیاٹی بجلی گھروں کے لئے ساز و سامان کی تیاری میں بین الاقوامی تخصیص کارسی اور تعاون کے فوائد کو برداشت کار لانے اور نیوکلیاٹی بر قی انجنئرنگ میں ساتھی ریسرچ کے اداروں کے درمیان اتحاد اور تال میل سے استفادہ کرتے ہیں۔

نیوکلیاٹی بجلی گھروں کی تعمیر میں دوسرے ملکوں کی مدد کرنے کے لئے سودیت یونین اس میدان میں اپنے تجربے سے استفادہ کرتا ہے۔ بلغاریہ میں کوزلو دوئی نیوکلیاٹی بجلی گھر اور جمن جمہوری ریپبلک نیز چیکوسلواکیہ میں اس طرح کے اولیں بجلی گھر کا میابی سے کام کر رہے ہیں۔ ہنگری، پولینڈ اور رومانیہ میں نیوکلیاٹی بجلی گھر تعمیر کئے گئے ہیں یا زیر تعمیر ہیں۔ کیوں بھی اس طرح کے بجلی گھروں کی تعمیر کا منصوبہ ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ ۱۹۹۰ء تک نیوکلیاٹی بجلی گھر سو شاست برادری کی بجلی کی کل ضرورت کا ۲۵ فی صد حصہ پورا کرنے لگیں گے۔

پیچیدہ نوعیت کے سماجی معاشی مسائل کا مشترکہ ماعنی سے حل ساری برادری کی اور اس کے الگ الگ ملکوں کی تیز رفتار معاشی ترقی کو یقینی بناتا ہے۔

## بڑھتی ہوئی کامیابیاں

سو شاست برادری کے ملکوں کی معاشی ترقی کی اعلیٰ شرحوں نے ان ملکوں کی اکثریت کی جو اس وقت باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ہیں، معاشی پس اندرگی کو نسبتاً مختصر مدت میں ہی دور کرنا، ان کی صنعتی پیداوار کو توسعہ دینا، ایک نسل کی زندگی میں ان کی قومی آمدنی کو کسی گناہ بڑھانا اور ان کی آبادی کے رہن سہن کے معیاروں کو قابل لحاظ طور پر بلند کرنا ممکن بنادیا ہے۔

پچھلے ۳۰ برسوں کے دوران سو شاست ملکوں میں ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کے مقابلے میں قومی آمدنی میں ۱۵ فی صد زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

تاہم آٹھویں دہائی کے اوآخر اور نویں دہائی کے شروع میں سو شاست ملکوں میں معاشی ترقی کی شرطیں کسی قدر کم ہوتی ہیں۔ اس کی کمی وجہ ہیں۔ ان کی ترقی کی شرطیں سرمایہ دار عالمی معیشت کے

کار و بار کی حالات سے بھی تھوڑی بہت متاثر ہوئی تھیں۔ لیکن اس مدت کے دوران سو شلسٹ برادری کے ملکوں کی معاشی ترقی کی شرحوں میں گراوٹ کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ پیداوار کی جامع توسعے کے امکانات بنیادی طور پر استعمال کر لئے گئے تھے۔ گزرے ہوتے برسوں میں جو معاشی میکانزم قائم کیا گیا تھا اسے نئے حالات سے ہم آہنگ نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس کی اذسرنو تشكیل کی ضرورت تھی۔

اس نظام کو نئے سرے سے تشكیل دینے کا کام اب شروع ہو گیا ہے۔ اصل زور پیداوار کی خوش کاری اور مصنوعات کی کوالٹی پر دیا جا رہا ہے۔ ان با مقصد مساعی سے معاشی پیداوار میں اضافے کی شرطیں بڑھ رہی ہیں۔

یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا سو شلسٹ ملکوں میں پیداوار میں اضافے کی شرحوں میں گراوٹ کا عدم استحکام اور بحران کے ان حالات سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے جن سے عالمی سرمایہ دارانہ معیشت دوچار ہے۔ نہیں ان دونوں مظاہر کے درمیان کوئی چیز مشترک نہیں ہے۔ سو شلسٹ معیشت کی ترقی کی شرحوں میں عارضی کمی معاشی ترقی کے اس نظام کا نتیجہ نہیں ہے جو سرمایہ داری کا خاصہ ہوتا ہے۔

سو شلسٹ اپنے مسائل سرمایہ داری کے مقابلہ میں بے حد کم سماجی قیمت پر حل کر لیتا ہے جو کبھی ہوں، سو شلسٹ سماج میں کامل روزگار کا اصول ناقابل تبدیل رہتا ہے اور دوسرے سماجی و سیاسی حقوق اور صنائیں نہ صرف یہ کہ اپنی جگہ قائم رہتی ہیں، بلکہ ان کا میدان مسلسل وسیع بھی ہوتا رہتا ہے۔ معاشی ترقی کی شرطیں بڑھانے اور آبادی کے رہن سہن کے معیار بلند کرنے کے مسائل آبادی کے تمام ذمروں کے مفادات کو مناسب طور پر دھیان میں رکھ کر حل کئے جاتے ہیں۔ مزید برائی معاشی ترقی کی شرحوں کے لحاظ سے سو شلسٹ برادری نے سرمایہ دار دنیا پر اپنی برتری کو باقی رکھا ہے۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک فیصد اضافے کا "وزن" سو شلسٹ ملکوں کی معاشی ترقی میں مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔ مثلاً سو ویسیت یونین کی قومی آمد نی میں اس وقت ایک فیصد اضافے ۱۹۵۰ء کے دس فیصد اضافے کے برابر ہے اور بلغاریہ میں یہ ایک فیصد اضافے ۱۹۵۰ء کے ۱۱ فیصد سے بھی زیادہ اضافے کے برابر ہے جبکہ جمن جمہوری ری پبلک میں اس کا مطلب ہے تقریباً سات فیصد اضافے۔

اس وقت سو شلسٹ برادری کے تمام ملکوں میں ۱۹۹۰ء اور روان صدی کے اوآخر تک کیلئے سو شلسٹ سماج کی بہتری اور مزید ترقی کے امکانات کا تعین کرنے کا کام جاری ہے۔ اس کام میں یکساں دلپسی کے معاملات سے متعلق معاشی پالیسیوں میں اتحاد و تالیل پیدا کرنا، معاشی، سائنسی اور تکنیکی تعاون کے پر و گراموں کی تیاری اور منظوری، اگلی پانچ سالہ مدت کے منصوبوں میں تالیل کو مکمل کرنا، پیداواری تعاون کے بارے میں اہم کیفیتی تجویز کی تیاری، قدرتی وسائل کی مشترک تلاش اور نکاسی، مشین سازی

برقی انجینئرنگ میں تعاون سے متعلق سمجھوتے اور ایندھن اور خام مواد کی صنعتوں کو ترقی دنیا وغیرہ شامل ہے۔

ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ آج کے حالات میں کوئی بھی ایک ملک اپنے طور پر نہ تو تمام طرح کی جدید جیزیتوں نیار کر سکتا ہے اور نہ ہی مکنیکی یونڈیلوں کو سر کر سکتا ہے۔ لیکن یہ کام قوموں کی سو شلسٹ برادری کر سکتی ہے جس کے پاس سائنسی مکنیکی وسائل ہیں۔ اور جنہیں تعاون کا زبردست تجربہ حاصل ہے۔ باہمی معاشی امداد کوںل کے رکن مالک سماجی نظاموں میں فرق کے قطع نظر نام ریاستوں کے ساتھ برادری باہمی فائدے اور اندر و نی معاملات میں عدم مداخلت کے اصولوں کی بنیاد پر اپنے معاشی سائنسی اور تہذیبی تعلقات کو فروع دینے کے لئے آمادہ ہیں۔ باہمی معاشی امداد کوںل کے رکن مالک مساویانہ و جمہوری بنیاد پر میں الاقوامی معاشی تعلقات کی تشكیل نہ اور ایک منصفانہ میں الاقوامی معاشی نظام کے قیام سے متعلق ترقی پذیر ملکوں کے مطالبات کی حمایت کرتے اور ان ملکوں کے ساتھ سرگرمی سے تعاون کرتے ہیں۔

## برابری اور باہمی فائدے مندی

سوشلسٹ ملکوں کی پامدار معاشی ترقی ان کے وسیع ترین الاقوامی روابط کو فروغ دیتی ہے۔

سوشلسٹ ریاستوں اور نوازad ملکوں کے درمیان معاشی اور تہذیبی روابط ایسی ریاستوں کے مابین جن کی سماجی، معاشی ترقی کی سطحیں مختلف ہیں، باہمی فائدے مندی اور برابری کے تعلقات کی مثال ہیں۔ ان کے درمیان باہمی فائدے مند تعاون کو گھربراہی اور وسیع کرنے کا رجحان پامدار اور مستحکم کردار کا حامل بن گیا ہے۔

باہمی معاشی امداد کوںل کے رکن ملکوں کی چوٹی سطح کی معاشی کافرنس میں جو جون ۱۹۸۷ء میں ماںکو میں ہوئی تھی، ایک بار پھر اس حقیقت پر زور دیا گیا تھا کہ باہمی معاشی امداد کوںل کے رکن ماںک ترقی پذیر ریاستوں کے ساتھ اپنے تعاون کو تو وسیع دیتے رہیں گے۔ اپنی قومی معیشتیوں کو ترقی دینے اور اپنی معاشی آزادی کو مضبوط بنانے میں ان کی مدد کرتے رہیں گے اور ان کے ساتھ باہمی معاشی تعلقات کو فروغ دینے کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

## معاشی آزادی کو مضبوط بنانے میں مدد

سوشلسٹ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان معاشی تعلقات کے بارے میں مغرب نے شروع ہی سے بعض اور بد نیتی کارویہ اپنا یا ہے۔ بہت سے مغرب مائرین تو نو عمر ریاستوں کے بارے میں سوشنست

ملکوں کی خارجہ پالیسی کے اصولوں اور پہلوؤں کو مسح کرنے میں ہمارت رکھتے ہیں۔ وہ ان ملکوں کے معاملات میں "اسکو کی مداخلت" کی باتیں کرنے اور اس طرح کا جھوٹا دعویٰ کرنے سے بھی گرینڈ نہیں کرتے ہیں کہ سوویت یونین اور دوسرے سو شلسٹ ممالک ترقی پذیر ملکوں کی مدد اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ان کی حکومتوں کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ اس طرح کے اور دوسرے الزامات بھی لگاتے جاتے ہیں۔

لیکن ترقی پذیر دنیا کے ساتھ سو شلسٹ ریاستوں کے تعلقات کو بذات کی یہ جان توڑ کو شیش زیادہ سے زیادہ لاحاصل ہوتی جا رہی ہیں۔ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کو خود زندگی ہر دن اس بات کا زیادہ سے زیادہ ثبوت فراہم کرتی ہے کہ سوویت یونین اور دوسرے سو شلسٹ ملکوں کے ساتھ ان کا تعاون کس قدر فائدے مند ہے۔ نوازad ملکوں کے ترقی پسند اسکالر اور اخبار لفیض اس تعاون کی ماویانہ اور باہمی فائدے مند نوعیت کی اور سو شلسٹ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان ہمگیر وابط کو توسعہ دینے اور گھر ابنانے کے امکانات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ہندوستانی ماہرین کے مطالعات میں اس کی بخوبی نشاندہی کی گئی ہے۔ سوویت یونین اور امریکہ کے ساتھ ہندوستان کے معاشی تعلقات کے اپنے تجزیے میں ایس میکر جی ٹھنے یہ ثابت کرنے کے لئے متعدد حقائق پیش کئے ہیں کہ ہندوستان کی بخاری صنعت کے قیام و فروع میں، اس کے عوامی سیکٹر کے استحکام میں اور اس کی معاشی آزادی و خود مختاری کے فروع میں سوویت امداد نے کس قدر عظیم روں ادا کیا ہے۔ ایس میکر جی نے اس بارے میں بھی قال کن مثالیں پیش کی ہیں کہ امریکہ نے ہندوستان کے لئے اپنی معاشی امداد کا استعمال سیاسی دباؤ کے تہیہ کار کے طور پر کیا ہے۔ اور یہ کہ بین الاقوامی اجارہ داریوں کی سرگرمیاں ہندوستانی معيشت کو مغرب کا اور زیادہ محتاج بناتی ہیں نیز غیر ملکی کرنی کے اس کے محفوظ سرمایہ کو ختم کرنی ہیں۔

بین الاقوامی معاشیات کے ایک اور ماہر بی بزر جی نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے لئے امریکی امداد کا نظریاتی مقصد اس کے شہریوں کو امریکی بخوبی کا قابل کرنا ہے جن میں ریاستی حکومت، مالی پالیسی اور ٹکیس قوانین کے امریکی "نمونے" پیدا اور قولوں کی تقسیم کا انداز اور نظام تعلیم بھی شامل ہے۔

بی۔ بزر جی نے زور دے کر لکھا ہے کہ سوویت یونین باہمی احترام اور تعاون کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے معاشی طور پر خود مختار بننے میں ہندوستان کی مدد کرتا ہے۔

لے ایس مکروجی "ہندوستان کی حقیقتاً کون مدد کرتا ہے۔ امریکہ یا سوویت یونین؟ معاشی امداد کے فرق کا جائزہ نبی دہلی ۱۹۵۷ء

لے بی بزر جی "ہندوستان کے لئے غیر ملکی مدد"۔ دہلی۔ ۱۹۵۷ء

متعدد الیسی مثالیں ہیں جو قائل کن طور پر یہ ثابت کرتی ہیں کہ سوٹلست ملکوں کے ساتھ کاروباری اور دوسرے روابط سے نوا آبادیت اور سامراجی استحصال کے خلاف جدوجہد میں ترقی پذیر ملکوں کی پوزیشن مضبوط ہوتی ہے اور وہ سامراج کے قائم کر دہنا برابری کے بین الاقوامی معاشی تعلقات کو ختم کرنے اور ان کی جگہ نئے تعلقات قائم کرنے کے لئے کامیابی سے جدوجہد کر سکتے ہیں۔

سوٹلست مالک نو عمر ریاستوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں نہ توکی طرفہ فائدے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی مراعات چاہتے ہیں۔ وہ نہ تو ترقی پذیر ملکوں کے قدر تی وسائل پر اپنا حق جتنا چاہتے ہیں اور نہ ہی ان ریاستوں پر جن کے ساتھ وہ تعاون کرتے ہیں اپنی مرضی مسلط کرنے کے موقع تلاش کرتے ہیں۔

سوویت یونین ایسے پراجکٹوں کے لئے سرمایہ فراہم کرتا اور ان کی تعمیر میں مدد کرتا ہے جو صنعت کاری کے لئے بنیاد کا کام دیتے ہیں اور جن سے نوآزاد ملکوں میں جدید صنعتی صلاحیت کے قیام میں مدد ملتی ہے۔ سوٹلست ریاستوں کی معاشی، سائنسی اور تکنیکی پالیسی اور سامراجی ملکوں کی پیش کردہ مدد کے درمیان یہی بنیادی فرق ہے۔ سامراجی ممالک ترقی پذیر دنیا میں ایسے پلانٹ نہیں تعمیر کرنا چاہتے ہیں جن میں پیداداری عمل مکمل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے متعلقہ علاقہ میں سامان کی پیداوار اور اسے منڈی میں لانے و فروخت کرنے کے سلسلہ پر ان کے کنٹرول میں رکھنے پڑے گا۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ سوویت یونین ترقی پذیر ملکوں کے ساتھ اپنے معاشی اور تکنیکی تعاون میں عوامی سیکٹر کی ترقی کو تزییع دیتا ہے۔ ایسا وہ اس لئے کرتا ہے کہ متعلقہ ملک کی معیشت کچھ اشخاص یا گروپوں کے مقاد میں ترقی کرنے کے بجائے پوری قوم کے مقاد میں ترقی کرے اور غیر ملکی اجارہ داریوں کے خلاف جدوجہد میں ترقی پذیر ملکوں کی پوزیشن مضبوط ہوں۔ اسے یوں دیکھا جاسکتا ہے کہ شام میں سوویت مدد سے تعمیر شدہ اسٹورہ پن بجلی کمپلکس ملک کی آدھی سے زیادہ بجلی پیدا کرتا ہے۔ دس ارب کلووات گھنٹے سالانہ نیز دوسرے پن بجلی گھروں کے مقابلہ میں اسوان پن بجلی گھر کمپلکس میں بجلی کم قیمت پر تیار ہوتی ہے۔ الجیر یا کا الہجارت لوہا اور فولاد ساز پلانٹ جو افریقہ میں اپنے طرز کا سب سے بڑا پلانٹ ہے، ۲۰ لاکھ ٹن سالانہ تک فولاد تیار کرتا ہے جبکہ گنی میں کندیا یا کاسٹ کان کی سالانہ پیداوار کی صلاحیت ۲۵ لاکھ ٹن ہے۔

سوویت ہند تعاون کے اولیں پراجکٹ، بھیلانی اور لوکارو کے فولاد ساز پلانٹ ہندستان کی لوہا اور فولاد ساز صنعت کے سب سے بڑے اور سب سے موثر کارخانے ہیں۔ ان پلانٹوں کی سالانہ پیداوار کی صلاحیت ۳۷،۰۰۰ لاکھ ٹن تک پہنچا کر کے لئے سوویت ماہین انہیں مسلسل بہتر بنا رہے ہیں اور توسعہ دے رہے ہیں۔

سوویت یونین نے عوامی سیکٹر کے اندر متعدد پلانٹوں کی تعمیر میں ہندوستان کی مدد کی ہے۔ ان سے ہندوستان میں فولاد کی کل پیداوار کا ۷۰ فیصد سے زیادہ حصہ حاصل ہوتا ہے۔ تقریباً ۲۰ فیصد بھلی حاصل ہوتی ہے۔ ۴۰ فیصد سے زیادہ تیل نکلتا ہے اور ۳۰ فیصد تیل صاف ہوتا ہے۔ سوویت یونین کے تعاون سے تغیر شدہ لو ہے اور فولاد کے پلانٹوں میں ہر سال ایک کروڑ ۱۰ لاکھ ٹن فولاد پیدا ہوتا ہے جو نام دوسرے لفڑی ایجاد ملکوں میں پیدا ہونے والے فولاد سے بھی زیاد ہے۔ ۱۹۸۵ء میں اپنے دورہ سوویت یونین کے دوران راجیو گاندھی نے کہا تھا کہ دولوں ملکوں کے درمیان تہذیبی ساتھی اور معاشی تعاون کے وسیع امکانات ہیں۔

لاآزاد ملکوں کے لئے سوویت یونین کی مدد کی اہمیت کو گھٹانے کی کوششیں لا حاصل ہیں۔ اس مدد سے یہ ملک اپنی قومی میഷت کو مصبوطی و استحکام عطا کرتے اور آزاد معاشی پالیسی پر عمل کرتے ہیں۔ جیسا کہ سوویت کیوںٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے جنرل سکریٹری مینا ٹیل گور باچیف نے کہا ہے کہ ”ہماری ہمدردی ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ان ملکوں کے ساتھ ہے جو اپنے آزادی کو مصبوط بنانے اور سماجی حیات لو کے راستہ پر عمل پیرا ہیں۔ وہ پامارا من، قوموں کے درمیان بہتر اور منصفانہ تعلقات کی جدوجہد میں ہمارے دوست اور ساتھی ہیں۔“

## معاشی منصوبہ بندی اور طویل مدتی تعاون

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ممالک ترقی پذیر ریاستوں میں عوامی سیکٹر کے استحکام کو فوکیت دیتے ہیں۔ یہ اس لئے بالخصوص اہم ہے کہ آج زمانے میں صرف ریاست ہی ملٹی نیشنل کار پوریشنوں کی دھوشن اور دباؤ کا موثر طور پر مقابلہ کر سکتی ہے بلکہ نیشنل کار پوریشنیں بے حد طاقتور بن گئی ہیں۔ اہذا عوامی سیکٹر بعض ترقی پذیر ملکوں کی قومی میഷت کی کلیدی شاخوں میں جیسے صنعتی پیداوار، ٹرانسپورٹ، مواصلات، کریڈیٹینگ اور بہنک کاری اور بینا دی سرمایہ کاری

میں رہنماءوں ادا کرنے لگا ہے۔

مثلاً شام میں صنعتی پیداوار میں عوامی سیکٹر کا حصہ ۸۰ فیصد ہے جبکہ عراق اور الجیریا کی ۷۰ فیصد سے زیادہ صنعتی پیداوار عوامی سیکٹر سے حاصل ہوتی ہے۔ الجیریا میں حکومت نے کانکنی، الٹموبائل تیل، کیمیائی اور غذائی صنعتوں اور انشوں کمپنیوں وغیرہ کو جو پہلے عزیز ملکیوں کی ملکیت تھیں، قومی تحویل میں لے لیا ہے۔

باتھی معاشی امداد کو نسل کے ملکوں میں قومی معاشی منصوبہ بندسی کو معاشی رہنمائی کے بنیادی آلات کار کی حیثیت حاصل ہے اور ترقی پذیر مالک معاشی منصوبہ بندسی کے ان کے تجربے اور طریقہ کار میں گھری دلپسی رکھتے ہیں۔

منصوبہ بندسی معاشی انتظام کے طریقے کو روایج دے کر ہی سوویت یونین اپنے پہلے پانچ سالہ منصوبے (۱۹۲۹-۳۲ء) کی تکمیل پر اپنی قومی امد نی میں ۸۲ فیصد کا اضافہ کر سکا۔ اس مدت میں تقریباً ۱۵ نئے پراجکٹ تعمیر کئے گئے اور متعدد برائے پراجکٹوں کو تو سیع دیگنی اور جدید بنایا گیا۔ اس مدت کے دوران طویل صنعتی پیداوار میں سالانہ اضافے کی او سط شرح ۱۹۳۰ء فیصد تھی جبکہ ذرائع پیداوار کی تیاری میں یہ شرح اضافہ ۵۰ فیصد اور اشیاء صارفین میں ۷۰ فیصد تھی۔ اس دوران ملک میں گھری سماجی تبدیلیاں آئیں۔ صنعت میں او سط امد نی ۴۰ فیصد بڑھ گئی۔ ۱۹۳۰ء کے اوآخر تک ملک میں بے روزگاری پوری طرح ختم کر دی گئی۔

سو شصت ملکوں کے منصوبہ بندسی کے ماہرین دو جانبی بنیاد پر اور اقوام متحدہ کے دائرة کار میں اپنے علم و تجربے سے دوسروں کو خوشی خوشی واقف کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے منصوبہ بندسی کمیشن کے ساتھ سوویت یونین، ہنگری اور جرمن جمہوری رسمی پبلک کی پلانگ ایجنیوں کا متعدد برسوں کا تجربہ ایک اچھی مثال ہے۔ سوویت ماہرین معاشی اور سماجی ترقی کے رہنمای خطوط کی تیاری میں عوامی جمہوریہ آنگولاکی مدد کر رہے ہیں۔ سوویت یونین اور ہنگری کے ماہرین نے دوسرے پانچ سالہ منصوبے ۱۹۴۹-۵۳ء کی تیاری میں تنرا نیہ کی مدد کی تھی۔

اسی طرح کی اور مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جرمن جمہوریہ رسمی پبلک کی پلانگ ایجنیاں روان اور طویل مدتی منصوبوں کی تیاری میں نیز قومی کارکنوں کی تربیت میں جن میں منصوبہ بندسی کے ماہرین بھی شامل ہیں تنرا نیہ کی ستقل طور پر مدد کر رہی ہیں۔

سوسیت مہرین نے یمن عوامی ڈیموکرٹیک ریپبلک کی ترقی کے تین سالہ (۱۹۷۲ء) اور پانچالہ منصوبے کی تیاری میں حصہ لیا تھا۔

منصوبہ بندی کے معاملات میں جرمن جمہوری ریپبلک، الجیریا، شام اور دوسرے ملکوں کی بھی مدد کرتی ہے۔ بلغاریہ اس میدان میں انگولا، عراق، لیبیا اور دوسرے ملکوں کے ساتھ تعاون کرتا ہے۔ ۱۹۸۰ء میں بلغاریائی اور لیبیائی حکومتوں کے سربراہوں نے بلغاریائی لیبیائی معاشی تعلقات میں منصوبہ بندی کے اصولوں کے روکو بڑھانے کے بارے میں ایک سمجھوتے پر متفق کئے تھے۔

اقوام متحده جنرل اسمبلی کے ۱۹۶۴ء خصوصی اجلاس میں سو شلسٹ ملکوں کے مشترکہ بیان میں اس بات کی توثیق کی گئی کہ وہ منصوبہ بندی کے میدان میں جس میں سماجی و معاشی ترقی کے قومی منصوبوں اور پروگراموں کی تیاری کا طریقہ کاربھی شامل ہے، ترقی پذیر ملکوں کے ساتھ تعاون کو وسیع کرنے کی اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔ ان منصوبوں اور پروگراموں کو ان ملکوں میں اہم سماجی۔ معاشی اصلاحات لانے میں مدد کرنی چاہئے (دیہی علاقوں میں جمہوری زمینی اصلاحات اور ڈھانچہ جاتی تبدیلیوں، بجلی کاری اور پانی کی مناسب سپلائی اور اس طرح کے دوسرے سدھاروں کے ذریعہ)

منصوبہ بندی حالیہ رسول میں ترقی پذیر ریاستوں کی معاشی سرگرمی کی ایک اہم شکل بن گئی ہے۔ آج ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کا شاید ہی کوئی آزاد ملک ایسا ہو جو ترقیاتی منصوبوں یا پروگراموں کو پورا نہ کر رہا ہو۔

معاشی ترقیاتی منصوبوں کی تیاری میں فراہم کردہ سو شلسٹ ریاستوں کی مدد کس قدر موثر اور کارگر ہے، اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ اقوام متحده کے ٹریننگ اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (یونیفار) نے نوازاد ملکوں میں منصوبہ بندی کے عام نظری تصور کی تیاری کا کام سوسیت یونین، بلغاریہ اور جرمن جمہوری ریپبلک کے ماہرین کے ایک گروپ کو سونپا تھا۔

منصوبہ بندی کے میدان میں سو شلسٹ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان تعاون مختلف میدانوں اور شرکتوں میں جاری ہے۔ اس میں مختلف پراجکٹوں کی مشترکہ منصوبہ بندی، دو جانبی اور کثیر جانبی تعاون کے طویل مدتی پروگراموں کی صورت گری، پانچالہ مدت کے اور اس سے لمبی مدت کے سماجی اور معاشی ترقی کے قومی منصوبوں میں تالیل معاشی پالیسیوں کے کلیدی سوالات پر صلاح مشورہ وغیرہ شامل ہے۔

مسی ۱۹۸۷ء میں سوسیت یونین اور یونیڈ ٹاؤن صنعتی منصوبہ بندی میں تعاون کے ایک سمجھوتے

لے یونیڈ دا اقوام متحده کی صنعتی ترقیاتی تنظیم، ترقی پذیر ملکوں کی تیز رفتار صنعت کاری کو فروع دینے کے لئے ۱۹۴۵ء میں قائم کی گئی تھی۔

پر دستخط کئے جس میں ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کو اس میدان میں حاصل کردہ سو شاستھ ملکوں کے تجربے میں شرکیں کرنے کے ایک طویل مدتی پروگرام کی صورت گردی کا انتظام کیا گیا تھا۔ سمجھوتے کے تحت سو ویت ماہرین کو صنعتی ترقی کے قومی منصوبوں کی تیاری میں مدد کرنے کے لئے ۱۹۸۷-۸۸ء میں ترقی پذیر ملکوں کے صنعتی عہدیداروں کو سو ویت یونین اور سو شاستھ برادری کے دوسرے ملکوں میں ترقی پذیر ملکوں کے صنعتی عہدیداروں کو سو ویت یونین اور سو شاستھ برادری کے دوسرے ملکوں کے ریاستی منصوبہ بندی کے تجربے سے واقف ہوئے کاموں میں موضع ملے گا۔

ایسی ترقی پذیر ریاستوں کے لئے بھوگھری اور ترقی پسند سماجی معاشی اصلاحات کے راستہ پر کامن میں منصوبہ بندی پسند ادارے کی خوش کاری کو بڑھانے معياری زندگی کو بلند کرنے اور سماجی زندگی کے تمام پہلوؤں کو تقویت پر چنانے کا ایک اہم اور بنیادی طریقہ بن جاتی ہے۔  
منصوبہ بندی کے میدان میں ترقی پذیر ملکوں اور باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ملکوں کے درمیان تعاون فریقین کے درمیان کار و باری اور معاشی تعلقات کو گھبراانا اور ترقی دینے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔

آنکھوں دہائی میں طویل مدتی بین حکومتی سمجھوتوں کے رجحان کو فروع حاصل ہوا۔ یہ سمجھوتے مختلف طرح کے تعاون کا، جیسے تجارتی، معاشی، سائنسی اور تکنیکی تعاون کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس طرح کے سمجھوتے ۵ تا ۱۵ برسوں کے لئے اور اس سے بھی زیادہ مدت کئے جاتے ہیں اور ان سے فریقین کو اپنے کار و باری، معاشی، سائنسی اور تکنیکی تعلقات کی مرلوٹ منصوبہ بندی کا موقع ملتا ہے۔

طویل مدتی بین حکومتی سمجھوتوں کا یہ نظام ترقی پذیر ملکوں کے لئے اس سے بھی اہم ہے کہ وہ ان معیشتتوں کو نئے سرے سے ڈھانپنے بندی کے سلسلہ ہائے عمل کو منصب کرتا، معیشتتوں میں منصوبہ بندی کے اصولوں کے اطلاق کو فروع دیتا اور داخلی و بیرونی وسائل کو ترقی کے لئے بہتر طور پر کام میں لانے میں مدد کرتا ہے۔

اس کی ایک مثال سو ویت یونین اور ہندستان کے درمیان ۰۰۱۵ برسوں کے لئے معاشی تجارتی، سائنسی اور تکنیکی تعاون کے اس پروگرام کی کامیاب عمل آوری ہے جس پر ۱۹۸۹ء میں دستخط کئے گئے تھے اور جس میں دھات سازی، مشین سازی، معدنیات کی کانکنی، بر قی انجنینرنگ وغیرہ میں تعاون کے رہنماء اصول و صنع کئے گئے ہیں۔

چوٹی سطح پر دستخط کردہ وہ دستاویزیں بھی قابل ذکر ہیں جن میں کئی افریقی ملکوں کے ساتھ بلغاریہ کے تعاون کے امکانات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان میں ۱۹۸۰-۸۱ء کی مدت کے لئے بلغاریائی

لیبیا نئی معاشی، سائنسی اور تکنیکی تعاون کی مزید ترقی کے لئے مربوط رہنا اصول اور ۱۹۹۰ء تک کی مدت کے لئے بلغاریہ اور موزمبیق کے درمیان طویل مدتی معاشی تعاون کا پروگرام شامل ہے۔

بلغاریہ اور ارجنٹائن ایران، نکاراگوا اور پنامہ کے درمیان، ہنگری اور ناچیریا کے درمیان جرمن جمہوری ریپبلک اور الجیریا، لیبیا، ناچیریا، نکاراگوا اور فلپائن کے درمیان، رومانیہ اور الجیریا، ہنگلہ دشیں، برازیل، مصر، ہندوستان، اردن، کولمبیا، لیبیا، میکسیکو، موزمبیق، پاکستان اور شام کے درمیان، سوویت یونین اور افغانستان، الجیریا، ارجنٹائن، عراق، لیبیا، مراقد، پیرو، شام اور ترکی کے درمیان، چیکوسلوواکیہ اور ناچیریا اور پنامہ وغیرہ کے درمیان کار و باری، معاشی، سائنسی اور تکنیکی روابطیں حکومتی سمجھوتوں کی بنیاد پر قائم ہو رہے ہیں۔

## کوالٹی، بھروسہ مندی اور خوش کاری

سرمایہ دار ریاستوں کی بیرونی تجارتی پالیسی کے بر عکس سو شلسٹ ملکوں کی جانب سے ساز و سامان کی سپلائی کا مقصد ترقی پذیر ملکوں کی معاشی ضرورتوں، خاص طور سے مشینی اور آلات و آوزار کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ سوویت یونین ان کی ترقی کے ایک کلیدی فریضے کی تکمیل میں یعنی خود ان کی صنعتی اساس قائم کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کے لئے وہ ان ملکوں کو ان کی روایتی تجارتی اشیاء کے بد لے میں صفتی ساز و سامان فراہم کرتا ہے۔

سوویت یونین کی مشین سازی کی صنعتیں آج بیرونی منڈیوں میں ہزاروں قسم کی چیزوں لانے کی صلاحیت رکھتی ہیں جن میں انتہائی طاقتور ٹریباں، بجلی گھروں کے لئے در کار مختلف طرح کے ساز و سامان اور تیز رفتار ہوائی جہازوں سے لے کر نفیس ترین الیکٹرانک آلات تک شامل ہیں۔ مشین سازی کی صنعت کی تمام شاخوں میں اپنی اعلیٰ ترین سائنسی اور تکنیکی ترقی کی بدولت سوویت یونین بیرونی منڈیوں میں منفرد قسم کی اور تکنیکی طور پر برتر مشینیں اور آلات و آوزار کو پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

سو شلسٹ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان تعلقات میں باہمی فائدے کا اصول صرف

تجارت تک محدود نہیں ہے۔

ناکافی طور پر ترقی یافتہ اپنی معيشتوں کی وجہ سے ترقی پذیر مالک میں ایسے ساز و سامان کی درآمد کرنے کے لئے جوان کی معاشی ترقی کے لئے لازم ہیں، داخلی وسائل کی سخت کمی ہے۔ اس میں شوستہ مالک انکی مدد کرتے ہیں۔ وہ ترقی پذیر ملکوں کو آسان شرائط پر قرضے دیتے ہیں جن کی بعض صورتوں میں مالیت متعلقہ ملک کو بلنے والی مکمل معاشی اور تکنیکی مدد کے ۸۰ فیصد حصے کے برابر ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ باہمی معاشی امداد کو نسل کی فراہم کر دہ تمام مدد کی طرح ان قرضوں کے ساتھ بھی ایسی کوئی معاشی مانگیں اور شرطیں نہیں ہوتی ہیں جن سے ترقی پذیر ملکوں کے اقتدار اعلیٰ پر آپنے آتی ہو، یا ان کا قومی وقار بجروح ہوتا ہو۔ باہمی معاشی امداد کو نسل کی مدد سے تعمیر شدہ پراجکٹ پوری طرح میزبان ملک کی ملکیت ہوتی ہے۔ ترقی پذیر ملکوں کو قرضے دھانی یا یابین فی صد سالانہ شرح سود پر دیتے جاتے ہیں۔ ان کی ادائیگی ساز و سامان اور مواد و ملکی سپلانی کے مکمل ہونے یا پراجکٹ کے چالو ہونے کے ایک یا تین سال بعد شروع ہوتی ہے اور ۱۵ تا ۲۱ برسوں پر کم ہوتی ہے۔ اس طرح کی ادائیگیوں سے متعلقہ ملکوں کو کسی طرح کی معاشی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔

باہمی معاشی امداد کو نسل کے فراہم کردہ قرضوں اور سود کی ادائیگی عام طور سے روابطی اشیاء کی سپلانی کے ذریعہ یا پھر مقامی کرنسی سے ہوتی ہے۔ اس کرنسی کو بھی متعلقہ ملک سے چیزوں کی خریداری کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں ان قرضوں کی ادائیگی باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ملکوں کی مدد سے تعمیر شدہ پراجکٹوں میں تیار ہونے والے سامان کی سپلانی کے ذریعہ ہوتی ہے۔

۱۹۷۴ء میں باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ملکوں نے ترقی پذیر ملکوں کی معاشی اور تکنیکی مدد کے پروگراموں کے لئے سرمایہ کی فراہمی کا بندوبست کرنے کی خاطر ایک خصوصی فنڈ قائم کرنے کے بارے میں بین الاقوامی سرمایہ کارسی بینک کے ساتھ ایک سمجھوتے کیا تھا۔ اس فنڈ سے بینک ترقی پذیر ملکوں میں صنعتی زرعی اور دوسری طرح کے نئے پراجکٹوں کی تعمیر کے لئے اور پرانے پراجکٹوں کی جدید کارسی کے لئے ۱۵ سال تک کی مدت کے قرضے دیتا ہے۔ باہمی معاشی امداد کو نسل کی رکن ریاستوں سے حاصل ہونے والے قرضوں کو ترقی پذیر مالک عام طور سے مقررہ وقت کے اندر ادا کر دیتے ہیں۔

بعض بورڈ و امنضفین اس بات کی روٹ لگاتے رہتے ہیں کہ ترقی پذیر ملکوں کے ساتھ سودیت یونین کے تعلقات میں "ذرپرده مقاصد" ہوتے ہیں۔ اس کے لئے وہ گنی میں کندیا کے قریب سودیت امداد سے تعمیر شدہ باسماٹ کی کانکی کے پلانٹ کی مثال پیش کرتے ہیں۔ وہ الزام لگاتے ہیں کہ سودیت یونین گنی پر سیاسی اور معاشی دباوڈالتا اور اس ملک کو عالمی قیمت سے کم داموں پر سودیت یونین کو پلانٹ

کا باکسٹ فروخت کرنے کے لئے نجور کرتا ہے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ سوویت یونین کو باکسٹ کی برآمد اس قیمت پر کی جاتی ہے، جو عالمی منڈی میں اس کو الٹی کے باکسٹ کی ہے۔ ان متعصب مصنفین نے جن شرائط کا ذکر کیا ہے ان کی بنیاد پر گنی یا کوئی دوسرا ترقی پذیر ملک سوویت یونین کے ساتھ تجارت کرنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اصل صورت حال ان مصنفین کے دعوؤں کے بالکل الٹ ہے اور وہ یہ کہ ترقی پذیر ملکوں کے ساتھ تجارت میں معاشی نقصان یہ مالک نہیں سوویت یونین برداشت کرتا ہے۔

بازہی معاشی امداد کو نسل کے رکن ملکوں اور ترقی پذیر ریاستوں کے درمیان موجودہ تعاون کا ایک اہم میدان زراعت، خاص طور سے زمینی سدھار اور آبپاشی تعمیرات، زراعت کی مشین بندی اور زرعی پیداواروں کی پر کسینگ کے اداروں کی تعمیر ہے۔ ایشیا، افریقہ اور لاٹینی امریکہ کے ترقی پذیر ملکوں میں باہمی معاشی امداد کو نسل کی رکن ریاستوں کی مدد سے ۳۰۰ سے زیادہ زرعی پر اجکٹ تعمیر کئے جا چکے ہیں یا زیر تعمیر ہیں۔

مثلاً مصر میں سوویت یونین کی تکنیکی مدد سے تعمیر شدہ اسوان ہاؤز روانجینیرنگ کپاس کا ذخیرہ آب ۸ لاکھ ۷۰ ہزار ہیکٹر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن مالک انگولا، افغانستان، برا، عراق، پیر و اور دوسری ریاستوں میں سیراب علاقوں کا رقمہ بڑھانے میں مدد کرتے ہیں۔

زراعت میں پیداواری سہولیات کی ترقی میں سوٹسٹ برادری کے ملکوں کی فراہم کردہ مدد میں دیہی علاقے میں کوآپریٹو تحریک کے فروع میں ریاستی فارموں اور کالفوں کی ملی جلی انجمنوں کے قیام میں تعاون و اشتراک بھی شامل ہے۔ اس سے ترقی پذیر ملکوں میں غذائی اشیاء کی سپلائی اور بے روگ کاری کے اہم مسائل کے حل میں مدد ملتی ہے۔

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ کیوں باہمی جس نے اپنی قومی میഷت کو ترقی دینے میں شاندار پیش فرست کی ہے، ترقی پذیر ملکوں کو تکنیکی مدد فراہم کرنے لگا ہے۔ کیوں بانی ماہرین ایشیا، افریقہ اور لاٹینی امریکہ کے ملکوں کی زراعت، محکملی پالن، تعمیرات، تعلیم اور صحت کی خدمات کی ترقی میں معاونت کرتے ہیں۔

سوویت یونین اور دوسرے سوٹسٹ ملکوں کی جانب سے ترقی پذیر ملکوں کی پیداواروں کی خریداری بھی عالمی قیمتوں کے تعین پر سازگار انڑڈالتی ہے۔ اور قیمتوں کو مستحکم بنانے میں مدد کرتی ہے۔ اس کا خاص طور سے اہلیق ملیشیا، ہندوستان اور سری لنکا کے برآمد کردہ بربکی قیمتوں، مصری کپاس کی قیمتوں اور اسی طرح کی دوسری چیزوں پر ہوتا ہے۔ ۱۹۷۸ء میں امریکہ اور جاپان نے جن کا تھاںی لینڈ کی پیروں تجارت میں سب سے زیادہ حصہ ہے، ۷ لاکھ ٹن خام ربر کی خریداری غیر معینہ مدت کے لئے اچانک روک

دی۔ اس سلسلہ میں خاص بات یہ ہے کہ رہنمائی لینڈ کی اصل برآمدگی پیداوار ہے۔ چونکہ اس سے تھائی لینڈ کی معیشت تباہ ہو سکتی تھی، اس لئے سوویت یونین اور دوسرے سو شلسٹ ملکوں نے تھائی لینڈ کی رہنمائی میں قابل لحاظ اضافہ کر دیا اور اس کی قیمت گرنے نہیں دی۔

سو شلسٹ ریاستوں کی پیش کردہ قیمتوں کا ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کی بیردنی تجارت پر جو سارے گارانٹری ہوتا ہے، اس کی توثیق ترقی پذیر اور ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں کئے گئے درج ذیل مطالعات سے ہوتا ہے۔ ایسا ہی ایک سروے ہندوستان کے پروفیسر جے۔ ناراٹ پے انگٹاڈ کے لئے کیا تھا۔

بامبی معاشی امداد کوںل کے رکن ملکوں اور ریاستوں کے دوسرے گروپوں کے ساتھ تجارت میں ہندوستان کی برآمد اور درآمد کے معیار کی یونٹوں کی مالیت کے مقابلی تجزیے کی بنیاد پر پروفیسر ناراٹ اس نتیجہ پر پہنچے کہ سو شلسٹ برادری کے ملکوں کے ساتھ تجارت ہندوستان کے لئے سب سے زیادہ فائدہ مند ہے۔

پروفیسر ناراٹ کے اخذ کردہ اس نتیجہ کی ہندوستان کے پروفیسر ایس شیٹی کے سروے سے بھی توثیق ہوتی ہے جو بیردنی تجارت کے ہندوستانی انسٹی ٹیوٹ نے شائع کیا تھا۔ بین الاقوامی بینک برائے تعمیر و اور ترقی کے ماہرین نے بھی ہندوستان کی مدد کے کنسوریشم کے رکن ملکوں کے نمائندوں کے لئے تیار کردہ اپنی رپورٹ میں اس نتیجہ کی توثیق کی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ہمارے پاس اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارت کے مقابلہ میں سو شلسٹ ملکوں کے ساتھ تجارت میں ہندوستان برآمدات اور درآمدات کی قیمتیں زیادہ فائدے مند ہیں۔

اس سے بھی زیادہ یہ کہ ترقی پذیر مالک سو شلسٹ ریاستوں کی بے عرضی سے مدد کرتے ہیں۔ اس حقیقت کے بارے میں بورڈ و مصنفین اور ماہرین خاموشی اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر سوویت یونین نے لوگوں جمہوریہ بنگلہ دیش کو اس کی بند رگا ہوں میں جہاز رانی کو معمول کے مطابق بنانے میں مفت مدد کی اور وہاں مجھلی پیکڑنے کے اپنے دس جہاز دو سال کیلئے

لے انگٹاڈ (اقوام متحدہ کا نفرنس برائے تجارت اور ترقی) ۱۹۴۷ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس کا بنیادی مقصد تیز رفتار معاشی ترقی کے مقاصد کے لئے بین الاقوامی تجارت کو فروع دینا ہے۔

لے بین الاقوامی برائے تعمیر و اور ترقی ۱۹۷۸ء میں قائم کی گئی تھی۔ اسے اقوام متحدہ کی خصوصی ایجنسی کا درجہ حاصل ہے اور اس میں ۱۷۲ مالک شامل ہیں۔

منتعل کر دیتے۔ اور ان کے ساتھ سو ویٹ ماہرین بھی جنہوں نے مجھلی پکڑنے میں اور قومی کارکنوں کو تربیت دینے میں مقامی حکام کی مدد کی۔ بلغاریہ نے بنگلہ دیش کو ۸۲ لاکھ لیوا مالیت کی مفت مدد کی۔ ہنگری نے دوائیں اور غذائی اشیاء، پولینڈ نے کپڑے، دوائیں، طبی ساز و سامان، تین جہاز اور بہت سی دوسری طرح کی ٹرانسپورٹ سرویسات دیں۔ اس طرح کی اور بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

بورژوا مصنفین ترقی پذیر یاستوں کے لئے سو شلسٹ ملکوں کی مدد کو بد نام کرنے کیلئے طرح طرح کے جھوٹ اور بہتاںوں کا سہارا لیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اس کا پسندیدہ الزام یہ ہے کہ سو ویٹ یونین اور دوسرے سو شلسٹ ملکوں کی جانب سے نوازادر یاستوں کو فراہم کردہ معاشی امداد تکنیکی لحاظ سے پست سطح کی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر مغربی دروغ گو، مصر کے لئے سو ویٹ یونین کی مدد پر یک پچھڑا چھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس مدد کی بدولت مصر الیونینم، عیناً ہنی دھاتوں، دھات سازی کی مشینوں اور اوزاروں، چکنائی کے طور پر استعمال ہونے والے تیل، الیونینم کے تار اور بہت سی دوسری چیزوں میں تیار اور پیدا کرنے کے اہل ہوا ہے۔

ان پراجکٹوں کو بالخصوص گھاؤنے ملکوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے جو سو ویٹ مدد سے تغیری کرنے گئے تھے اور جو مصر کی معیشت میں اہم روں ادا کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک پراجکٹ اسوان ہائڈرو انجنئرنگ میکس ہے جو کسی ترقی پذیر ملک میں تغیری ہونے والا ایک سب سے بڑا معاشی پراجکٹ ہے۔ سریا پر دار دنیا کے اخبارات اس "نقص" کی تغیری کے دران کی گئی غلطیوں اور معاشی اثر کے فقدان کی باتیں کرتے ہیں۔

لیکن اسوان میکس کے ڈیزائن کا انتہائی باصلاحیت ماہرین نے بین الاقوامی سطح پر معافہ کیا ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ جدید سائنس اور انجنئرنگ کے تمام تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔ بیوں انجنئرنگ کی امریکی سوسائٹی کے صدر ڈیم وائز نے اس میکس کا دورہ کرنے کے بعد لکھا تھا کہ کسی بھی دوسرے انجنئرنگ پراجکٹ نے ان لوگوں کو جنہیں دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی حمایت اور مدد کی ضرورت ہے، اتنا زیادہ نہیں دیا ہے جتنا کہ اسوان میکس نے انہوں نے کہا کہ اسوان ہائی ڈیم یقیناً آج کی دنیا کا ایک معجزہ ہے۔ مصر کے حمتاز سیاستدان اور اخبار الاهواہ کے سابق ایڈٹر انجیف محمد ریکل نے لکھا تھا کہ سو ویٹ دشمنی میں کس حد تک گر جاسکتا ہے اس کی ایک مثال اسوان ہائی ڈیم کو بد نام کرنے کی نہم ہے۔ اس معاذانہ نہم کا مقصد سو ویٹ امداد کو رسوائنا ہی نہیں ہے، اس کا نشانہ خود اسوان ڈیم بھی ہے جو مصر کی کامیابیوں

کی علامت اور ساری قوم کے لئے مایہ افتخار بن گیا ہے۔ اسوان پر حمد کرنے کا مطلب ہے عظیم کارناۓ انجام دینے کی دشواریوں پر قابو پانے کی اپنی صلاحیت پر صریلوں کے اعتقاد و یقین کو ختم کرنا۔

## قومی کارکنوں کی تربیت اور سانسی و تکنیکی مدد

بازہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن مالک قومی کارکنوں کی تربیت کے سلسلہ کو حل کرنے میں بھی ترقی پذیر ملکوں کی مدد کر رہے ہیں۔ وہ اعلیٰ اور خصوصی ثالثوںی تعلیم کے اپنے اداروں میں ان ملکوں کے انجینئروں اور تکنیشیوں کو تربیت دیتے ہیں اور اپنے ٹیچرا اور صلاح کار بھیجتے ہیں، جو ترقی پذیر ملکوں کے تعلیمی اداروں میں ماہرین کی تربیت کے کام میں مدد کرتے ہیں۔

بازہمی معاشی امداد کو نسل کی رکن ریاستوں کے پلانٹوں، تعمیراتی مقامات اور اداروں میں ترقی پذیر ملکوں کے ماہرین اور مزدوروں کی پیشہ و رانہ اور بر سر موقع تربیت کا طریقہ بھی قومی عملے کی تیاری کے لئے وسیع پیمانے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ سو شش سو ملکوں کے متعدد پیشہ و رانہ اسکولوں میں ترقی پذیر ریاستوں کے مشہری تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ترقی پذیر ملکوں کے تکنیکی اور انتظامی عملے کے لئے مختلف ریفریشیر کورس شروع کئے گئے ہیں۔

بازہمی معاشی امداد کو نسل کی رکن ریاستوں کی مدد سے ترقی پذیر ملکوں کے ۲۰ لاکھ سے زیادہ شہریوں نے نئے کام سیکھے ہیں یا اپنی دہارت بڑھاتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے انکھاڑ کی دستاویزوں میں نوٹ کیا ہے کہ ایک اہم بات یہ ہے کہ سو شش سو مالک ترقی پذیر ملکوں کے ماہرین کی چوری نہیں کرتے ہیں۔

چھٹی دہائی کے او اخر سے ترقی پذیر ملکوں نے بازہمی معاشی امداد کو نسل کی رکن ریاستوں کی معاشی اور تکنیکی مدد سے اعلیٰ اور خصوصی ثالثوی تعلیم کے ۵۶ اسکولوں اور ۱۲۷ تربیتی مرکزوں یا پیشہ و رانہ اسکول تعمیر کئے ہیں جن سے ۲ لاکھ سے زیادہ افراد کریجویشن کر چکے ہیں۔ مختلف طرح کے تقریباً ۱۰۰ تعلیمی ادارے زیر تعمیر ہیں۔ یا منصوبے کے مرحلے پر ہیں۔

بازہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ملکوں کی تکنیکی مدد سے قائم ہونے والے پراجکٹوں کی تعمیر کے دوران، ساز و سامان کی اسی بلنگ کے دوران اور پھر ان کے کام کرنے کے دوران مزدوروں اور تکنیشنوں کی تربیت سے اور ان کی ہمارت و ہنرمندی میں بہتری سے ترقی پذیر یاستوں میں ہنرمند کارکنوں کی تعداد بڑھانے میں بیش قیمت مدد ملتی ہے۔ باہمی معاشی امداد کو نسل کے ملکوں کے چوٹی کے کارخانوں وغیرہ میں جائے تعمیرات پر ترقی پذیر ملکوں کے شہریوں کی بر سر موقع تربیت کا بھی یہی مقصد ہے۔

باہمی معاشی امداد کو نسل کے اعلیٰ اور خصوصی ثانوی تعلیم کے اسکولوں میں ایشیا، افریقہ، اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کے شہریوں کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔ ۱۹۷۱ء کے اوائل میں ان اسکولوں میں ترقی پذیر ملکوں کے طلباء کی تعداد ۲۲ ہزار سے زیادہ تھی۔ جبکہ ۱۹۸۲ء میں ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ۱۲۰ ملکوں کے ۵۰ ہزار سے زیادہ طلباء ان اسکولوں میں تعلیم و تربیت حاصل کر رہے تھے۔

باہمی معاشی امداد کو نسل کا مشترکہ اسکالر شپ فنڈ ترقی پذیر ملکوں کے قومی عملے کو تربیت دینے میں باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ملکوں کی مدد کی ایک بالکل نئی شکل ہے۔

انتہائی باصلاحیت ماہرین کی تربیت میں فراہم کردہ مدد کا ترقی پذیر ملکوں کے متعدد رہنماؤں نے اعتراف کیا ہے۔ مثلاً اتنر انیز کے سابق صدر جولیس نیریڈے نے جو اس عہدے پر ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۸۰ء تک فائز رہے تھے، کہا ہے کہ ”سو ویت یونین سے تعلیم حاصل کرنے والے ماہرین ہر اس جگہ جہاں ان کی ضرورت ہوتی ہے کام کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ یہ بہت اہم چیز ہے کیونکہ ہمیں ایسے انتہائی باصلاحیت ماہرین کی سخت ضرورت ہے جو اپنے ملک کی بے غرضی سے خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں۔“

اسکو کمپرس لومباد وستی یونیورسٹی بے حد مقبول ہے۔ یہ دنیا کا پہلا تعلیمی ادارہ ہے جو ترقی پذیر ملکوں کے لئے اعلیٰ درجے کے ماہرین تیار کرتا ہے۔ اس یونیورسٹی نے ۱۹۸۵ء میں اپنی ۲۵ دین سالگرہ منانی تھی۔ ان برسوں میں وہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ۱۱۰ ملکوں کے تقریباً ۱۳ ہزار ماہرین۔ انجینئروں ڈاکٹروں، زرعی معیشت کے ماہرین، معاشیات دالوں وغیرہ کو تربیت دے چکی ہے۔

سامنسی اور تکنیکی تعاون بڑے پیمانے پر بھی کیا جاتا ہے اس میں نو عمر یاستوں کو تکنالوجی کی فراہمی اور ترقی پذیر ملکوں میں صنعتی اور دوسرے پراجکٹوں کی تعمیر ہے۔ یہ پراجکٹ عام طور سے میں حکومتی سمجھوتوں کے تحت تعمیر کئے جاتے ہیں۔

ان سمجھوتوں کے مطابق سو شش ممالک ضروری ساز و سامان کے مکمل سیٹ سپلائی کرنے کے علاوہ پراجکٹوں کے قیام کے باسے میں ضروری مطالعات کرنے ان کی تعمیر میں ساز و سامان کی اسیبلی اور تنصیب میں اور پیداوار کو مقررہ صلاحیت تک لانے میں مدد بھی کرتے ہیں۔

صنعتی اور دوسرے پراجکٹوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ملکوں کو تمام ضروری تکنیکی اور تکنیکی دستاویزوں وغیرہ بھی فراہم کی جاتی ہیں نیز قومی کارکنوں کو تربیت دی جاتی ہے۔

ترقی پذیر ملکوں کو تکنیکی اور اس کی منتقلی کی ایک اور احمد شکل ڈیزائن اور ڈولینگ کی انجینئرنگ تنظیموں کے قیام اور انتظام میں فراہم کردہ مدد ہے۔ پولینڈ، روانیہ اور سوویت یونین نے ہندستان میں اس طرح کی تنظیموں کے قیام اور اس کے مناسب ڈھنگ سے کام کرنے میں مدد کی ہے۔ لیبیا اور ایتھوپیا میں اس طرز کی تنظیمیں بغاڑیہ کی مدد سے، ناجیرا اور شام میں جمن جمہوری ریپبلک کی مدد سے، مصر میں پولینڈ کی مدد سے، زامبیا میں روانیہ کی مدد سے الجیریا، افغانستان عراق اور ناجیریا میں سوویت یونین کی مدد سے اور ارجنٹائن نیز برانیل میں چیکوسلواکیہ کی مدد سے قائم کی گئی ہیں۔

ترقی پذیر ملکوں کی قومی صیانت کی مختلف شاخوں میں باہمی معاشی امداد کو نسل کے رکن ملکوں کی فراہم کردہ مدد کی بدولت جس میں جدید تکنیکی دستاویزوں کی منتقلی بھی شامل ہے، اول الذکر اس قابل ہو گئے ہیں کہ اب وہ بہت سی قسم کی جدید مشینیں اور مشینی ساز و سامان جیسے اسٹیم ٹری بائنسیں معمولی کھومن کی مشینیں، اعلیٰ صلاحیت کے ٹریکٹر اور زرعی مشینی، مختلف طرح کی کیمیا تی چیزوں اور غذائی اشیاء خود تیار کر سکتے ہیں۔

پراجکٹوں کی ڈیزائن سازی، تعمیر اور کارکردگی کے دوران تکنیکی دستاویزوں کی منتقلی کے علاوہ باہمی معاشی امداد کو نسل کے حمالک ترقی پذیر ریاستوں کو مختلف مصنوعات کی تیاری کے لائنس بھی زیادہ سے زیادہ تعداد میں فراہم کر رہے ہیں۔

جمن جمہوری ریپبلک کے لائنس الجیریا میں پیپوں اور فاؤنڈری پلانٹوں کی تیاری میں، برانیل میں بھری آلات کی تیاری میں، کولمبیا میں دواں، شام میں سینٹ، یشیا اور عراق میں اسپارک پلگ اور ایران میں صنعتی بر قی بخشیوں کی اور خوردینوں کی تیاری میں استعمال ہوتے ہیں۔

رومانیہ کے لائنسوں سے ہندستان، عراق اور رکنی میں ٹریکٹر اسیبل کئے جا رہے ہیں اور بلغاریہ کے لائنس سے ترکی میں خام تابہ کو صاف کیا جا رہا ہے۔ لیبیا میں چھڑا کمانے کی فیکٹری تعمیر کرنے والی ایک اطالوی فرم نے پولینڈ کے ماہرین کی ایجاد کردہ چھڑا کمانے کی تکنیک کا لائنس خریدا ہے۔

ان مثالوں سے ظاہر ہونا ہے کہ ایک نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے بنیادی اصول جن کی مغربی طاقتیں اور مشرقی مشینل کارپوریشنیں اس قدر سختی سے مخالفت کر رہی ہیں، سو شدت اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان تعلقات میں عملی شکل اختیار کر جائے ہیں۔ یہ ہیں مکمل برابری، باہمی فائدے، ایک دوسرے کے اندر ونی معاملات میں عدم مداخلت، عدم تفریق، ایک دوسرے کے اقتدار اعلیٰ کے

احترام اور سماجی نظاموں میں فرق کے قطع نظر تہام ریاستوں کے درمیان تعاون کے فروع کے اصول۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ایک نتے بین الاقوامی معاشی نظام کے قیام کی جدوجہد میں موٹھٹ ریاستیں ترقی پذیر ملکوں کی وفادار حیثیت ہیں۔ اس نظام کے قیام میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ مغرب اپنی مراءات کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا اور بین الاقوامی معاشی تعلقات کے اس پر لئے نظام کے خاتمہ کو روکنا پڑتا ہے جو استعماریت پسندوں نے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی بے لگام لوٹ کھوٹ کے لئے قائم کیا تھا۔

بعض سیاستدان اور اطلاعاتی وسائل ترقی پذیر ملکوں کی پس مانگی کے لئے موٹھٹ مالک سمیت تمام صنعت یافتہ ملکوں کو مورد الزام ٹھہرانے اور اس طرح پس مانگی کی اصل وجہ کو جھپپانے کیلئے تمام ترقی یافتہ ملکوں کی تیکاں ذمے داری "کاغذ تصور پیش کرتے ہیں۔ لیکن ترقی پذیر ملکوں کی موجودہ مشکلات کے لئے سوویت یونین اور موٹھٹ برادری کے دوسرا ملکوں کو مورد الزام ٹھہرانے کی کوتی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کی نوا آبادیاتی لوٹ کھوٹ میں کبھی حصہ نہیں لیا ہے۔ اور اس وجہ سے وہ نہ توان کے نوا آبادیاتی ماضی کے لئے اور نہ ہی ان کی معیشت کی موجودہ حالت کے لئے کسی طرح ذمے دار ہیں۔

ترقبی پذیر ملکوں کے لئے موٹھٹ ریاستوں کی امداد کو پچھلے گناہوں کا کفارہ یا پچھلے نعمان کی تلافی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ مشترکہ دشمن سامراجیت، نوا آبادیت اور جدید نوا آبادیت کے خلاف جدوجہد میں ایک حیثیت اور دوست کی مدد کی ہے۔

سوویت یونین اور دوسرے موٹھٹ مالک بین الاقوامیت پسندانہ بھبھنی کے اصولوں پر وفاداری سے عمل کرتے ہوئے ترقی پذیر ملکوں کی سماجی، معاشی ترقی کے فروع میں ہر طرح کی مدد کرتے رہیں گے۔ اس میں عالمی میدان میں ان کی راست حمایت بھی شامل ہے۔ جہاں نتے بین الاقوامی معاشی نظام کے غیر حل شدہ سوالات کے بارے میں سخت جدوجہد جاری ہے۔

## باب - ۳

## غیر حل شدہ مسائل

فیں دہاتی کے اوائل میں ترقی پذیر ملکوں کے سامنے سب سے سنگین معاشی مسئلہ ان پر بیرونی قرضوں کے بوجھ میں بے مثال اضافہ تھا جو ۱۹۸۵ء کے اوائل تک ایک ہزار ارب ڈالر سے زیادہ کا ہو گیا تھا۔ چونکہ قرضے وقت پر ادا نہیں کئے جا رہے ہیں اس لئے ان کی ادائیگی ۲۱ دیں صد سی تک جاری رہے گی، ترقی پذیر ملکوں کو بچھے قرضوں کی ادائیگی کے لئے مسلسل نئے قرضے لینا پڑتے ہیں۔

اس صورت حال نے سنگین مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی ڈالر ملک ۱۷۰ ارب ڈالر کی وہ رقم ہے جو ترقی پذیر ملکوں کو ہر سال سود کی شکل میں ادا کرنا پڑتی ہے اور جس کی وجہ سے ان کی ترقی رکھتی ہے۔ ان کے داخلی مسائل ابتر ہوتے ہیں اور انھیں قحط، بڑھتی ہوئی عزتی بی اور بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دوسرے یہ کہ مغرب اپنے قرضوں کو ترقی پذیر ملکوں پر اس بات کے لئے دباؤ ڈالنے کی خاطر استعمال کرتا ہے کہ وہ داخلی اور خارجہ پالیسی اس کی پسند کے مطابق چلا میں۔

بہت سے دوسرے غیر حل شدہ اور تیجیدہ مسائل بھی ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں بین الاقوامی معاشی اور سیاسی تعلقات سے جڑے ہوئے ہیں۔ آئیے ان میں سے بعض پر ہم تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

## بیرونی قرضوں کے اسباب

یہ اسباب تیجیدہ نوعیت کے ہیں اور ان کا تعین ترقی پذیر ملکوں کی معاشی پالیسیوں میں موجود پامدار رسمحات اور آٹھویں نیز نویں دہاتی کے ان بھروسوں کے اثرات کرتے ہیں جن سے ناپختہ معیشتیوں

پر بالخصوص تباہ کن نفقات پڑھوں چاہتا۔

یہ پاندار رجحانات اس زمانے کے ہیں جب ان ملکوں نے جو حال ہی میں سیاسی طور پر آزاد ہوئے تھے، اپنی معيشت خاص طور سے صنعت کو تیز رفتاری سے ترقی دینا شروع کی، ان اقدامات کے سرما پے کا انتظام بنیادی طور پر واخلي وسائل سے کیا گیا تھا۔ لیکن صنعتی ترقی کے لئے غیر ملکی سرا یہ، جدید مشینی اور تکنالوجی کی برآمدگی بھی ضرورت تھی۔ یہ کام بنیادی طور پر قرضوں کی مدد سے کیا گیا۔ جس کی وجہ سے ۱۹۷۸ء تک ترقی پذیر مالک ۳۰۰ ارب ڈالر سے زیادہ کے مقرضوں ہو گئے لیکن یہ قرضہ قابل کنٹرول تھا۔ کیونکہ اس کی ادائیگی کے لئے ایک پورٹ سے ہونے والے سالانہ آمدنی کے زیادہ سے زیادہ دس فیصد حصے کی ضرورت تھی۔ اور اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ قرضوں کی رقم بنیادی طور پر پیداواری مقاصد کے لئے استعمال کی گئی تھی۔

لیکن ۱۹۷۸ء میں صورت حال کافی بد لئے لگی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قرضوں کا بوجھوڑ رامائی حد تک بڑھ گیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مزدی ممالک معاشی بحران کے تباہ کن نتائج کا بوجھ ترقی پذیر ملکوں کے کندھوں پر مستقل کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔

اس بحران کا سب سے پہلا اثر تو یہ پڑا کہ اُس نے ترقی یافتہ سرمایہ دار ریاستوں کی منڈیوں میں ترقی پذیر ملکوں کے مال کی قیمت کم کر دی۔ اس سے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکیہ کے ملکوں کی برآمدگی پیداوار پر سنگین اثر پڑا۔ اس سے پہلے کے سال کے مقابلہ میں ۱۹۸۰ء میں برآمدات ۱۵ فی صد، ۱۹۸۱ء میں ۱۳، ۱۹۸۲ء میں ۱۵، فی صد کم ہو گئیں۔ صرف ۱۹۸۴ء میں وہ بحران سے پہلے کی سطح پر پہنچ سکیں۔ ۱۹۸۳ء میں بھی صنعتی پیداوار بحران سے پہلے کی سطح سے کم رہی۔ ۱۹۸۳ء میں ۱۹۸۲ء کی سطح کے ۹۵ فی صد کے دراواڑ اور ۱۹۸۴ء میں تقریباً ۹۰ فیصد کے برابر۔

ان حالات کی وجہ سے ریاستی آمدنی میں نایاں کمی آئی اور غیر ملکی زر مبادر کی کمی بہت کم ہو گئی۔ مانگ میں کمی کی وجہ سے خام موادوں کی قیمت اتنی کم ہو گئی کہ پچھلے ۵ برسوں میں اس کی مثال نہیں ملتی تھی۔ ۱۹۸۰ء کے مقابلہ میں ۱۹۸۳ء میں یہ قیمتیں ۲۰ فی صد کم ہیں جبکہ ۲۰ چیزوں کی قیمت تو ۵۰، ۱۹۸۳ء کی سطح سے بھی کم تھی۔

نouمر ریاستوں کی صنعتی برآمد کو کم کرنے کے لئے مغربی ملکوں نے مزید قدم اٹھائے جن کی وجہ سے قیمتیوں میں اور برآمدنی آمدنی دونوں میں نایاں گراوٹ آئی اور افراطِ زر نے ان چیزوں کی قیمت کافی بڑھادی جو ترقی پذیر ممالک عام طور سے برآمد کرتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں مشینوں اور مشینی ساز و سامان کی قیمت ۱۹۸۳ء کے مقابلہ میں ۹۰ فیصد (امریکی مشینی کی ۸۶ فی صد) زرعی مشینی کی ۷۰ فیصد (امریکی زرعی

مشیری کی ۹۸ فیصد) ٹرانسپورٹ سہولیات کی ۸۰ فیصد (امریکیہ ۱۰۰ فیصد) زیادہ تھی۔ تقریباً تمام ترقی پذیر ملکوں کو تیل کی بھی بہت بڑھی ہوئی قیمت ادا کرنا پڑی۔

اس سلسلہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ سرمایہ دار ملکوں کے اعداد و شمار ترقی پذیر ملکوں کے استعمال کے بہت سے راستوں اور طریقوں کو سامنے نہیں لاتے ہیں۔ ہندستانی میگزین "ٹریڈ یونین رپورٹ" کے مطابق احארہ داریاں اپنے تجارتی مال کی قیمتوں میں جو ہر اپنی ترقی کرتے ہیں، اس سے ترقی پذیر ملکوں کو ہر سال ۵۳ تا ۳۰۰ ملیار روپے کا اور سرمایہ دارانہ مطابشی نظام میں اپنی خیر مساوی پوزیشن کی وجہ سے ۵ تا ۵۰ ارب روپے کا نقصان ہوتا ہے۔

استعمال کا ایک اور طریقہ نوع مریaston کے ماہرین کو بہلا پھنسا کر سرمایہ دار ممالک لے جانے کا ہے۔ ایسا کرنے کے لئے وہ ترقی پذیر ملکوں میں رہن سہن کے پست معیاروں، ادائیگی کی کم شرحون نیز ماہرین کے لئے روزگار کے محدود موضع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ "ماہرین کی چوری" سے ترقی پذیر ملکوں کو ہر سال ۵۰ ارب روپے کا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑا نقصان اُن کا یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر سائنسی اور تکنیکی ترقی کی کامیابیوں کو اپنے عوام کے رہن سہن کے معیار بلند کرنے کے لئے اور معاشی ترقی کی یعنی تر سطح پر پہنچنے کے لئے کام میں نہیں لاپاتے ہیں۔

غیر ملکی کرنی میں اتار چڑھاؤ کی وجہ سے بھی ترقی پذیر ملکوں کا کافی نقصان ہوتا ہے۔ ڈالر کی شرح تبادلہ میں اضافہ نے ان کی درآمدات کی قیمت بڑھادی اور اپنی پیداواروں کی فروخت سے انھیں جو آدمی ہوئی تھی اس کا ایک حصہ شرح تبادلہ میں اس اضافے کی نذر ہو گی۔ چنانچہ ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۴ء کی مدت میں ۳۰ ترقی پذیر ملکوں کی برآمدات گھٹ گئیں، ۸۲ ملکوں میں تبادلہ کی شرحیں کم ہوتیں اور ۲۵ ملکوں میں تو فری سرمایہ کم ہو گیا۔ اس اثناء میں ان ملکوں میں آبادی اوسٹا ۷۲ فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھتی رہی۔ اس آبادی میں ۳۰ اسال سے کم عمر کے بچوں کا تناسب ۲۲ فیصد تھا جن کی اس وقت تک کفالت کرنا تھی جب تک کہ وہ اپنی گزربر خود نہ کر سکیں۔ ان ملکوں میں یہ روزگاروں کی تعداد ۸۰ کروڑ تھی۔

اس کوئی صورت حال کی وجہ سے ترقی پذیر ملکوں کو بیرونی قرضوں پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرنا پڑا۔ چنانچہ منزلي طاقتون کی جدید نوا آبادیاتی پالیسی اور بحران دولوں کی وجہ سے سنگین نوعیت کے نئے مسائل پیدا ہو گئے۔ شروع شروع میں ان طاقتون نے اس بحران کو اقوام متحده کی ان سفارشات کی عدم تعامل کے بہانے کے طور پر استعمال کیا کہ انھیں اپنی سالانہ مجموعی قومی پیداوار کا ۷۰ فیصد حصہ ترقی پذیر ملکوں کی ضروریات کے لئے آسان شرائط پر ریاستی مدد کی فرائی کے لئے مختص کرنا چاہیے۔ ادائیگی میں یہ امداد کل قومی پیداوار کے محض ۳۵ روپے تا ۳۰۰ روپے کے برابر تھی اور امریکہ اور جاپان کے معاملہ میں تعداد بھی کم یعنی بالترتیب ۲۳۰ اور ۲۹۰ فیصد تھی۔

بین الاقوامی مال تنظیموں کا رو یہ مزدی حکومتوں کے حکم کی بے چون و چرا تمیل کرنے کا تھا بین الاقوامی بنک برائے تعمیر نو اور ترقی کی جانب سے ترقی پذیر ملکوں کو فراہم کردہ قرضوں کو ۹ ارب ڈالر سالانہ کے نشانے پر بخمد کر دیا گیا اور بین الاقوامی ترقیاتی تنظیم کے فراہم کردہ ہلکے ہلکے قرضے بھی کم کردئے کئے۔ بین الاقوامی مالیات فنڈ نے ترقی پذیر ملکوں کو اس قدر کم قرضے دیے کہ ان قرضوں کو حاصل کرنے والے، میں سے ۵۲ ملکوں کا کوئی باکل ختم ہو گیا۔

دوسرے الفاظ میں جبکہ مزدی حکومتوں نے اپنا سرمایہ بحران سے رکنے اور ہتھیار کی بڑھتی ہوئی دوڑ کے مصارف پورے کرنے پر خرچ کیا ترقی پذیر ملکوں کو بھی بنکوں سے سخت ترین شرائط پر قرضہ حاصل کرنے کے لئے آکا یا گیا۔

مثال کے طور پر میکسیکو نے اس طرح کے قرضوں کے لئے ۵۵ مزدی بنکوں سے ویزو لانے ۳۵۰ م اور فلپائن نے ۳۸۳ م بnکوں سے کنٹریکٹ کیا۔ اس سے قرضوں کی فراہمی کا سارا ڈھانچہ بدل گیا اور بیرونی قرضوں کی نوعیت میں بنیادی تبدیلی آئی۔ ریاستی خطوط پر فراہم کردہ نرم قرضوں کا حصہ ۱۹۷۶ء میں ۶۶ فیصد تھا (۴۶ م فی صد دو جانی قرضے اور ۲۰ فیصد بین الاقوامی تنظیموں کے قرضے) منڈی شرائط پر ملنے والے قرضوں کا حصہ محض ۳۳ فی صد تھا جبکہ ۱۹۸۲ء میں آرٹی سے زیادہ قرضے بھی وسائل سے حاصل ہوئے تھے (۴۴ م فیصد قرضے بnکوں سے) بعد میں ترقی پذیر ملکوں کو ملنے والے قرضوں میں بھی بnکوں کا حصہ ۰۵ فی صد سے بھی زیادہ ہو گیا۔

یہ دولوں قرضے بہت الگ الگ شرائط پر دئے جاتے ہیں۔ جبکہ سرکاری قرضے ۲۲ تا ۳۲ فی صد سالانہ شرح سود پر دئے گئے بھی قرضے، افراطی رکی وجہ سے اتنا م افی صد شرح سود پر دئے گئے۔ بعد میں یہ قرضے "بدلی ہوئی"، شرح سود پر دئے گئے جو منڈی کے حالات کے مطابق تبدیلی ہوتی رہتی تھی اور ۱۵ تا، افی صد سالانہ شرح سود تک پہنچ جاتی تھی۔ اس طرح بدلی ہوئی شرح سود پر فراہم کئے جانے والے قرضوں کا حصہ ۱۹۸۰ء میں محض بیم تھا۔ ۱۹۸۲ء میں یہ بڑھ کر ۷۰ ہو گیا اور ان شرحوں پر جو سود ادا کیا گیا وہ ترقی پذیر ملکوں کی ان تمام ادائیگیوں کے دو تھائی حصے کے برابر تھا جو تمام طرح کے یغیر ملکی قرضوں کو چکانے کے لئے کی گئی تھیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں، ۱۹۸۳ء کا سال بین الاقوامی قرضوں کے اضافے میں بدترین سال تھا۔ اس سال ترقی پذیر ملکوں نے سابق قرضوں کا سود ادا کرنے پر جو رقم خرچ کی، وہ نئے قرضوں کی مالیت سے زیادہ تھی۔ اور اس طرح ترقی پذیر ملکوں کے بیرونی قرضوں کے میدان میں عام بحران شروع ہوا۔

## بند چکر

ترقی پذیر ملکوں پر قرضوں کا کتنا بھاری بوجھ ہے اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ ان پر قرضوں کا یہ بار ۱۹۸۳ء میں ان کی کل قومی پیداوار کے ایک تھائی حصے کے اور ان کی برآمدات کی کل مالیت کے ۱۵۰ فی صد حصے کے برابر تھا۔ اصل رقم کی سالانہ ادائیگی ان کی برآمدی آمدنی کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ ہڑپ کر جاتی ہے اور اس طرح ضروری اشیاء کی چاہے وہ مشینیں ہوں، فالتو پر زے ہوں یادداں اور غذائی اشیاء، درآمد بے حد کم ہو جاتی ہے۔

۱۹۸۰ء سے ترقی پذیر مالک اپنے قرضوں کی اصل رقم کے بجائے سود کی ادائیگی پر زیادہ رقم خرچ کر رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سود کی شرطیں کس قدر زیادہ ہیں۔ قرض اور سود کی ادائیگیوں کے اس سلسلے سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر ملکی قرضے اجارا دارانہ سرمایہ کے ذریعے ترقی پذیر ملکوں کے استعمال کا ایک اہم ذریعہ بن گئے ہیں۔

ترقی پذیر ریاستوں پر بیرونی قرضہ ایک ایسا بند چکر بن گیا ہے جس میں کہ تمام نئے قرضے پرانے قرضوں کی ادائیگی کے لئے استعمال ہو جاتے ہیں اور ترقی کے مقاصد کے لئے تقریباً کچھ نہیں پکتا ہے۔ تقریباً ان تمام اور قرضی پذیر ملکوں میں جنہوں نے بیرونی قرضے حاصل کئے ہیں، قرضہ جاتی صورتحال الگ الگ طرح کی ہے۔ لاٹینی امریکہ کے ۹۰ فی صد قرضے طویل مدتی ہیں، ان میں سے ۸۰ فی صد بخی ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں اور اس وجہ سے نسبتاً زیادہ مہنگے ہیں اور برآمدی آمدنی کا ۸۳ فی صد حصہ قرضوں کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا ہے۔ ایشیا کے بھی زیادہ تر قرضے طویل مدتی ہیں اور وہ ریاستی قرضوں کو ترجیح دیتا ہے وہ فی صد سے زیادہ)۔ لہذا وہ قرضوں کی ادائیگی پر اپنی برآمدی آمدنی کا صرف ۱۰ فی صد (لیکن ان میں مختصر کرتا ہے۔ مشرق وسطی زیادہ تر قرضے حکومتی ذرائع سے حاصل کرتا ہے (۴۰ فی صد) لیکن ان میں مختصر مدتی قرضوں کا حصہ زیادہ ہے، لہذا یہ مالک قرضوں کی ادائیگی پر اپنی برآمدی آمدنی کا صرف ۲۵ فی صد حصہ خرچ کرتے ہیں۔ اور آخر میں یہ کہ افریقہ کے ۹۰ فی صد قرضے طویل مدتی ہیں اور ۶۰ فیصد سرکاری ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں۔

تاہم اس سے بھی زیادہ معلومات آفیس پورے کے پورے برآعظموں کی نہیں بلکہ ایک جیسی معاشی خصوصیات کے حامل ملکوں کے گروپوں کی قرضوں کی صورت حال کا تجزیہ ہے۔

تیل برآمد کرنے والے اہم ملکوں میں (الجیرا، انڈونیشیا، عراق، ایران، سعودی عرب، بیلی، کویت، قطر، ناجیرا، متحده عرب امارات اور وینیزولا) میں صرف الجیرا، انڈونیشیا، ناجیرا اور وینیزولا ایسے مالک ہیں جن پر قابل الحاظ قرضہ ہے۔ ان میں سے آخری تین ملکوں کو قرضوں کی ادائیگی میں دشواریوں کا سامنا ہے۔

ان ترقی پذیر ملکوں میں جو تیار مال کے چوٹی کے برآمد کنندہ ہیں، ”بھاری قرضداروں“ کی کافی تعداد ہے۔ برانیل، ارجنتائن، میکیتو، وینیزولا، انڈونیشیا، فلپائن، جنوبی کوریا، سنگاپور اور ہانگ کانگ، آخری دو ملکوں کو جھوڑ کر باقی سب کے سب بے حد مقرض ہیں۔ قرضہ کے بھرمان کے منظاہر ان ملکوں میں بالخصوص نمایاں ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں ان کے قرضوں کی ادائیگیاں نئے قرضوں سے ۲۱ ارب ڈالر زیادہ تھیں۔ ان کے قرضوں کی کل مالیت ۲۸۵ ارب ڈالر دوسرے الفاظ میں ان کی کل داخلی پیداوار کے ۲۴ فیصد اور ان کی سالانہ برآمدات کی ۲۲۲ فیصد کے برابر تھی اور قرضوں نیزان پر سود کی ادائیگی کے لئے ان ملکوں کو اپنی برآمدی کا ۳۸ فیصد حصہ خرچ کرنا پڑتا تھا۔ ان ملکوں کو قطع نظر اس کے شرح سود کتنی زیادہ ہے، نئے قرضے حاصل کرنا پڑتے ہیں۔ یہ تحقیقت کہ یہ نسبتاً ترقی یافتہ نوع مردیا سین قرضوں کی زنجیروں میں جگہ گئی ہیں، اس بات کا اظہار ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے اندر اپنی صنعت کاری کی کس قدر بھاری قیمت ادا کرتے ہیں۔

دوسرے مالک جن پر قرضوں کا بالخصوص بھاری بوجھ ہے، بولیویا (جسے ادائیگیاں روکنا پڑتی تھیں)، گیانا، ہندوستان، پیری، سوڈان، چلی، زامبیا، ملیشیا اور زائرے میں۔

قرضہ اور سود کو وقت پر اور پوری طرح ادا نہ کرنے کی وجہ سے حالیہ عرصہ میں قرضوں کی نوعیت میں تبدیلی آتی ہے۔ یہ قرضے یا تو تختصر مدتی کے بجائے طویل مدتی ہو گئے ہیں یا پھر قسطوں کی ادائیگی میں مزید تو سیع ہوتی ہے۔ واجب ادائیگیوں کے لئے اکثر نئے قرضے بھی دیئے گئے ہیں۔ ۱۹۸۳ء کی مدت میں اس طرح کے اقدامات ۲۴ ملکوں کے لعلق سے ۷۸ بار کئے گئے۔ ”نوعیت میں تبدیلی“ کی وسعت بتدریج بڑھتی رہی اور ۱۹۸۳ء میں اس کی مالیت ۴۵ ارب روپیہ ہو گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترقی پذیر ملکوں پر جو قرض ہے، اسے عام طریقوں سے ادا نہیں کیا جاسکتا۔

اس سے پہلے یہ تبدیلی قرضوں نے والے خاص خاص ملکوں کی حکومتوں کے پیرسن کلب کے دائرہ کار

---

لے پیرسن کلب (دس کا گرڈپ) ایک بین حکومتی تنظیم ہے جو امریکہ، برطانیہ، کنیڈا، جاپان، بھیم، فرانس، وفاٹی جرمن جمہوریہ، اٹلی، الینڈ، سویڈن کے درمیان طے پانے والے ایک سمجھوتے کے تحت ۱۹۴۱ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس کا سرکاری مقصد نازک حالات میں متعلق ملکوں کو اپنے فنڈ سے خرچ فراہم کر کے بین الاقوامی مابینی فنڈ کے لئے غیر ملکی کوشی کے دسائل فراہم کرنا ہے۔

میں کی جاتی تھی۔ لیکن اب اس طرح کی تبدیلیوں کو پہلے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی منظوری حاصل ہونی چاہئے اور یہ فنڈ قرضہ طلب کرنے والے ملک کو بعض لازمی معاشی اقدامات کی صلاح دیتا ہے جیسے ریاستی اخراجات، درآمدات، داخلی اصراف اور اندر و نیکوں کی فراہمی میں کمی وغیرہ۔ ان اقدامات کی وجہ سے ملک کی ترقی رک جاتی ہے اور سماجی احتجاجاً جائش کی ایک وسیع لمب شروع ہو جاتی ہے۔

اس طرح کے پر وکرام لا بیرو، پیر و اور سینگھاں پر چار بار لوگو اور ترکی پر پانچ بار اور زائرے پر چھپ بار سلطکتے گئے تھے۔ ان سے میکسیکو، برزیل اور وینیزو لاسکی میشتوں کو سخت نقصان پہنچا دنہوں نے ۱۹۸۵ء میں بالترتیب ۷۸۴۰، ۷۲۵۰، ۲۱۰۰ کروڑ اور ۲۱۰۰ کروڑ الکری ادائیگی کو ملتوی کئے جانے کی درخواست کی تھی۔ اس عرصہ میں ان کے یہاں بے روزگاری، غربت اور دیوالیہ پن کی حالت بڑھتی رہی اور فیکٹریاں بند ہوتی رہیں۔

یہ تبدیلی قرضوں کو اور نیادہ مہنگا بنادیتی ہے۔ کیونکہ ان کی ادائیگی کی مدت بڑھ جاتی ہے اور اس میں ادائیگی کا کمیشن شامل ہو جاتا ہے۔ بین الاقوامی بینک برائے تعمیر لفڑا اور ترقی کے مہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کے صرف موجودہ قرضوں کی ادائیگی ۱۹۹۰ء تک باقی رہے گی، لیکن اس وقت ان کا قرضہ بڑھ جائے گا کیونکہ اس کا اسباب نت ختم کئے گئے ہیں اور نہ ہی اس کا علاج کیا گیا ہے۔

## اس بند چکر سے کس طرح نکلا جا سکتا ہے

چونکہ سرمایہ دارانہ قرضہ جاتی نظام اس طرح کے انتہائی خطرناک اور انتہائی بڑے قرضوں کے سلسلہ کو حل کرنے کی پریشانی سے پہلے کبھی دوچار نہیں ہوا ہے اس لئے وہ صورت حال کی نہدت کو کم کرنے کا کوئی ریڈیکل ذریعہ ابھی تک نہیں ڈھونڈ سکا ہے۔

---

فنڈ کی ایک پوشیدہ لیکن واضح سیاسی لائن بھی ہے۔ مثلاً کیوں، افغانستان، شام، کانگو اور بین جیسے ملکوں کو اس سے کوئی قرضہ نہیں ملا ہے۔

دوں فریق اتنا تک جانے سے گرتے ہیں کیونکہ قرض خواہ (بینک) یا قرضدار (قرضہ لینے والا ملک) میں سے کسی کا بھی دیوالیہ پن تجارت اور سرمایہ کی دنیا میں خوف و ہراس پیدا کر دے گا۔ (بینکوں سے جمع پول بخی کو نکالنے کا سلسلہ شروع ہو جاتے گا۔ دیوالیہ ملک کے ساتھ کار و بار سی تعلقات ختم ہو جائیں گے) اہنہا بینکوں کو اصل رقم پر سود کی بروقت ادائیگی سے ہی مطمئن ہونا پڑ رہا ہے۔

بہت سے ماہرین معاشیات کے مطابق اس صورت حال سے نکلنے کا ایک راستہ ہے کہ خام موادوں کی عالمی تجارت کو مستحکم بنایا جائے۔ اس سے تین چوتھائی ترقی پذیر ملکوں کی آمد نی بڑھ جائے گی۔ لیکن مغرب کی حکومتیں اور اجارہ داریاں دلوں ہی اس کے خلاف ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سستے خام موادوں کو درآمد کر کے اپنے ملکوں میں افراط از رکاوہ اور پیداواری لگت کو محکم کرنا چاہتی ہیں۔

اپنی صنعتی برآمدات کے راستہ میں حائل رکاوٹوں کے دور ہونے سے کم از کم ۲۰ ترقی پذیر ملکوں کا جن میں سے سب کے سب قرضدار ملک ہیں ضرور فائدہ ہوگا۔ اس سے ان کی سالانہ برآمدی آمد نی ۲ ارب ڈالر بڑھ جائے گی۔ لیکن مغربی صنعت کی موجودہ تشکیل نوکے حالات میں اس طرح کی رکاوٹیں دچنڈ ہو گئی ہیں۔

اور آخر میں اس طرح بھی حالات سدھ رکھنے ہیں کہ مغربی ریاستیں اپنی مجموعی قوی پیداوار کے برائی صد حصے کو آسان شرائط پر ترقی پذیر ملکوں کو مدد کے طور پر دینے کی اقوام متحدہ کی سفارش پر عمل کریں اور سب سے کم ترقی یافتہ ۳۶ ملکوں پر قرضوں کو معاف کر دیں اور ۳۴ ملکوں پر قرضوں کے سود سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ وہ ملک ہیں جو بحران سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔

لیکن مغربی حکومتیں اپنے بجٹ میں خارے کا بہانہ بنائیں کہ ایسا کرنے سے انکار کرتی ہیں جبکہ اس خارے کی وجہ ترقی کے لئے مد نہیں بلکہ تہیاروں کی دوڑ ہے۔ تہیاروں کی دوڑ کے لئے سرمایہ بھی بڑی حد تک قرضوں کی ادائیگی سے فراہم کیا جاتا ہے۔

فوجی بجٹوں میں کمی کرنے اور اس طرح بچی ہوئی رقم کے ایک حصے کو ترقیاتی مقاصد کے لئے کام میں لانے کی سو ویت یونین کی تجویز کی صورت گردی سے بھی قرضوں کے مسئلہ کے حل میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ لیکن مغرب اس تجویز کی عمل آوری کے راستہ میں بھی رکاوٹ کھڑی کر رہا ہے۔

مسئلہ کو حل کرنے سے مغرب کے انکار کی وجہ سے ایسے اقدامات کی تلاش شروع ہو جاتی ہے جو مرض کو ختم کرنے کے بجائے اس میں وقتی طور پر کمی کر سکتے ہیں۔ ترقی پذیر ملکوں کی تجویز ہے کہ عنبر ادا شدہ سود کو قرضوں کی اصل رقم میں شامل کر دینا چاہیے اور ان کی ادائیگی ملتوی کر دینی چاہیے اور یہ کہ خنقر مدتی قرضوں کو طویل مدتی قرضوں میں تبدیل کر دینا چاہیے۔ لیکن بینکوں کو یہ تجویز منظور نہیں ہے۔ وہ قرضوں

کی ادائیگی کو ملتو سی کئے جانے کے خلاف ہیں۔

سرایہ دار ملکوں کے بینک کاروں کی صلاح یہ ہے کہ ان کی حکومتیں ترقی پذیر ملکوں کی قرضی مسود کے وعدوں کے ایک حصہ کو خرید لیں۔ کارو باری قرضوں کی نوعیت کو سرکاری ترقیاتی مددیں بدل دیں اور اس طرح قرضوں کے بوجہ کو بڑی حد تک ہلکا کر دیں۔ لیکن اس تجویز کو مسترد کرنے کے لئے مغربی حکومتیں ایک بار پھر اپنے بحث میں خارے کا حوالہ دیتی ہیں۔ دوسرے قرض خواہ اس بات کیلئے آمادہ ہو سکتے ہیں کہ ان کے قرضوں کو رقم کی بجائے جنس میں ادا کیا جاتے۔ لیکن اس طرح کی ادائیگی کے راستے میں وہ رکاوٹیں حاصل ہیں جو عمداً کھڑکی کر دی گئی ہیں۔

لہذا قرض کے درج ذیل قیاسی حل پر حالیہ عرصہ میں کافی بحث ہوتی ہے۔ تجویز یہ ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کے قرضہ جاتی وعدوں کو "قابل تبدیل" بنادیا جاتے۔ یعنی انھیں ایسا بنادیا جاتے کہ دوسرا ضمانتوں کے ساتھ اٹاک ایکسچنچ میں ان کا بیو پار کیا جاسکے۔ اس طرح ایسا کوئی بھی بینک جسے عدم ادائیگی کا ڈر ہو، اس طرح کے وعدوں کو دوسرے بینک کے ہاتھوں فروخت کر سکتا اور مناسب موقع پر اپنی رقم داپس پاس سکتا ہے۔

اس طرح کا طریقہ بینکوں کے لئے فائدے مند ہو گا ز کہ ترقی پذیر ملکوں کے لئے اس سے ان کے قرضوں میں کوئی کمی نہیں اتے گی بلکہ وہ بینکوں کے ساتھ ساتھ اٹاک ایکسچنچ کی سڑے بازوں کے بھی محتاج ہو جائیں گے۔ اور ادائیگیوں کا بحران بدتر ہو جائے گا نیز قرض خواہوں کی تبدیلی سے نراجیت کے حالات پیدا ہو جائیں گے۔ اس طرح "تبدیلی" کے سوا کچھ سامنے نہیں آئے گا۔ اس سے قرضوں کا مسئلہ ۲۱ ویں صدی تک کھنچ جائے گا۔

بعض ترقی پذیر حاکم قرضداروں کی انجمن کے قیام کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔ یہ ان ملکوں کا ایک طرح کا متحده معاذ ہو گا جس کے ذریعہ وہ بینکوں سے اپنے قرضوں کے بارے میں بات چیت کر سکتے اور یہ طے کر سکتے ہیں کہ اپنی مالی پوزیشن کو نقصان پہونچاتے بغیر انھیں کب اور کتنا قرضہ ادا کرنا چاہیے۔ ان کی ایک آنک یہ ہے کہ لاطینی امریکہ کے ملکوں پر تمام قرضے معاف کر دیتے جائیں۔ لیکن اس نظریے سے لاطینی امریکہ کے بڑے حاکم اتفاق نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس انجمن کی کمی ریاستیں بینکوں کے ذریعہ مزید سرایہ کی فراہمی سے فوراً محروم ہو جائیں گی۔ (۲۰۱۲ء) ڈالر سالانہ کمی کا پہلے ہی ارادہ ہو چکا ہے (جس کی بڑے ملکوں کو شدت سے ضرورت ہے۔ مزید براں مختلف ملکوں کے قرضہ جاتی حالات میں نمایاں فرق ان کے اتحاد عمل کے راستے میں حاصل ہے۔ آخر میں یہ کہ لاطینی امریکہ کی طرح ایشیا اور افریقہ بھی قرضوں کو ختم کئے جانے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

قرضوں کے مسئلہ کا حل ترقی پذیر ملکوں کی قوموں کے لئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ فیڈل کا سٹراؤ نے کہا کہ "بیرونی قرضے کے مسئلے کے حل اور ترقی پذیر ملکوں اور نعمتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں کے درمیان منصفانہ معاشی تعلقات کے قیام جیسی معقول انگوں کی بقا۔ اور مستقبل کے لئے اہم ہے"

## معاشی علمی

سامراجی ریاستوں پر ترقی پذیر ملکوں کے معاشی اختصار کے بنیادی اسباب زیادہ سے زیادہ لوگوں پر دلچسپی ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ اختصار اب سرمایہ دار اور نوازدگی ملکوں کے درمیان تمام طرح کے تعلقات میں سراپا ہے۔ اس کی وجہ سے عدم برابری پیدا ہوتی ہے اور اس کا نفع ریاستوں کی سیاست، آئینہ الوجہی اور کلچر پر اثر پڑتا ہے۔

اس سے سرمایہ دار اور ترقی پذیر ملکوں کی ترقیاتی سطحوں میں فرق بڑھتا ہے۔ فی کس قومی پیداوار کے لحاظ سے ملکوں کے دو گروپوں کے درمیان یہ فرق نویں دہائی کے اوپر میں ۱۲ اور ایک کا تھا۔

اس طرح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کی پس مانگی ان کی محتاجی کو بڑھاتی ہے جبکہ محتاجی ان کی پس مانگی باقی رکھتی ہے، تکنا لوجیکل فرق پیدا کرتی ہے، بے رو زگاری اور رکھوک و قحط و جنم دیتی ہے جو بورڈ و اسکالر دوں کے مطابق بھی ناگزیر اور ناکافی طور پر ترقی یافتہ ہونے کا غالباً سب سے سنگین اثر اور نتیجہ ہے۔

نوابادیاتی حکمرانی کے دور سرمایہ داری نے نوابادیوں میں پیداوار کی ایسی لاتفوں کو فردعندیا جن سے نوابادیاتی طائفوں کی معاشی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ اس سے ترقی پذیر ملکوں میں ایسے معاشی نظام قائم ہوتے جو نوابادی حکمرانوں کے فائدے کے تھے۔ بہت سی صورتوں میں یہ تخصیص کاری لازمی تھی۔ کارل مارکس نے ۱۸۴۸ء میں آزاد امن تجارت کے بارے میں اپنی تقریب میں کہا کہ "آپ حضرات شاید تلقین کریں کہ کافی اور شکر کی پیداوار والیست انڈینز کا قدر تی مقدر ہے شمالی اور جنوبی امریکہ کے درمیان اٹلانٹک کے تمام جزائر کے لئے استعمال ہونے والا عام نام دوسال

بہلے قدرت نے جو کار و بار کے چھنچھٹ میں نہیں پڑتی ہے، وہاں نہ تو گنے لگائے تھے اور نہ ہی کافی کے پودے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ۰۵ سے بھی کم برسوں میں آپ کو وہاں نہ کافی ملے اور ہی شکر کیونکہ نوا آبادیاتی دنیا کے دوسرے علاقوں نے مقابلہ کے ذریعہ "ولیست انڈیز کے اس نام نہاد قدرتی مقدار کو ختم کر دیا ہو۔"

اس میں تک نہیں کہ ابتداء میں منڈسی کے حالات بیشتر زیادہ منافع بخش تھی اس نے کیرپین میں بشوں جمایکا اور پیور ٹریکو کافی کی قریب قریب پوری جگہ لی تھی۔ اس کے بعد باکاتھ اور متانبہ کی کانکنی نے اس کی جگہ لے لی۔

اس طرح کی صورت حال جنوبی ایشیا میں دیکھی جاسکتی تھی۔ جہاں کافی اور شکر کی جگہ جزدی طور پر ربر کے باغات نے لے لی اور وہ کوکے لئے جگہ خالی کر رہے ہیں۔ اس طرح کی مثالیں دنیا کے تمام علاقوں میں مل سکتی ہیں۔

ترقی پذیر دنیا اس وقت جس غذائی بحران سے دوچار ہے اُس کے اسباب نوا آبادیاتی غلامی کے زمانے کی پیداوار ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ترقی پذیر ملکوں میں تقریباً دس فیصد قابل کاشت نہ میں پر برآمدی مقصد کی صنعتی فصلیں اُگانی جاتی ہیں۔ لاطینی امریکہ سے گوشت کی برآمد بڑھ رہی ہے جبکہ مقامی آبادی کم غذا میت کا شکار ہے۔ اس کے ضمنی منفی اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً موٹیوں کے حد سے زیادہ چلنے کی وجہ سے چلی اور ارجمند اُنا کو اپنی اکروڑ ہیکٹر قابل کاشت نہ میں سے باہم دھونا پڑے۔

بین الاقوامی تجارت میں بھی ترقی پذیر ملکوں کی حالت بھی بہت خراب ہے۔ غیر ملکی اجارہ داریاں ترقی پذیر ملکوں میں مقامی پیدا کنندوں سے کم قیمت پر چیزیں خرید لیتی ہیں اور غیر ملکی منڈیوں میں انھیں بہت اونچی قیمت پر فروخت کرتی ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ اسیں اسٹیل کار پوریشن ہے جس نے وینیز والا کو ایک ٹن خام دھات کی قیمت ۲۰ سینٹ ادا کی اور اسے سات ڈالر فی ٹن کے حساب سے بیچ دیا۔

سوویت سائنس اکادمی کے افریقی انسٹی ٹیوٹ کے مطالعات کے مطابق چھپے دس برسوں میں افریقی برآمدات کی مقدار دو گناہے سے زیادہ ہو گئی ہے جبکہ ان کی مالیت میں صرف دس فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح آدھی افریقی برآمدات جن کی مالیت تقریباً ۶۵ کروڑ ڈالر ہے، سامراجی اجارہ داریاں بغیر کچھ خرچ کئے ہڑپ کر جاتی ہیں۔

ترقی پذیر ملکوں میں لگائے گئے سرمایہ پر منافع کی شرح بیشتر صورتوں میں سرمایہ دار ملکوں

سے زیادہ ہوتی ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں مغربی صنعت کاروں اور بنسک کاروں کی دلچسپی کی وجہ وجہ ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کاری پر بڑھتے ہوئے منافعوں کی ایک وجہ ترقی پذیر ملکوں میں انتہائی سستی محنت ہے۔ دوسری وجہ بے حد کم پیداواری لگات ہے کیونکہ مغربی ملکوں کی نسبت بہت سے معدنیاتی وسائل انتہائی سازگار مقامات پر واقع ہیں۔

لیکن سرمایہ دار ریاستوں کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ ترقی پذیر مالک خام موادوں کی بین الاقوامی منڈیوں میں اپنے مفادات کی حفاظت کرنے کے لئے متعدد ہو رہے ہیں، اپنے تیار مال کی برآمد بڑھا رہے اور زیادہ سے زیادہ ان کے مقابلہ پر آ رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے سامراجی ریاستوں کو عالمی سرمایہ دار منڈی میں اپنے آپ کو ایسے حالات کے مطابق بنانا پڑ رہا ہے جو ان کے لئے ناساگار ہیں، ساتھ ہی ساتھ انھیں ترقی پذیر ملکوں کے ساتھ تجارت کرنے کی اپنی پالیسی میں بعض تبدیلیاں لانا پڑ رہی ہیں۔ یہ پالیسی جو بہ حیثیت مجموعی زیادہ سے زیادہ سخت گیر ہے، مختلف ملکوں کے تین مختلف روٹوں کو خارج نہیں کرتی ہے۔ اس پالیسی پر عمل کرتے وقت سامراجی طاقتیں نوازد ملکوں کے درمیان برابری کا شانہ پیدا کرنے کے لئے بعض رعایتیں بھی دیتی ہیں، لیکن منفی طور پر ترقی یافتہ مالک جس بنیادی مقصد کے لئے خام مواد درآمد کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ نو عمر ریاستوں کی تجارتی اور معاشی پالیسی کو کنٹرول کرنے کے لئے اپنے اتحاد کو مفسبوط بنایا جائے۔ ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کی حکمت عملی کا اصل رُخ یہ ہے کہ ترقی پذیر ملکوں میں بھی کار دباری اور بین الاقوامی اعبارہ داریوں کی مہم جو یہ پہل قدمی کی حمایت کی جاتے۔ ترقی پذیر ملکوں کے بارے میں ”مارنے اور چھلانے“ کی پالیسی انھیں ایک دوسرے سے برگشتہ کرتی، تیز رفتار معاشی ترقی کے لئے اپنے تمام داخلی وسائل کام میں لانے سے انھیں روکتی، اُن کے درمیان نااتفاقی پیدا کرتی اور اُن کی معاشی محتاجی کا باعث بنتی ہے۔

ترقی پذیر ملکوں کی مشکلات کو ملٹی نیشنل کار پوریشنوں کی مداخلت نے اور زیادہ خراب کر دیا ہے کیونکہ یہ کار پوریشنیں مقامی صنعتوں کو کنٹرول کرتی ہیں جن کی صلاحیتیں بے حد کم ہیں اور جو ریاست کے تحفظ پر انحصار نہیں کر سکتی ہیں۔

ملٹی نیشنل کار پوریشنیں مقامی صنعت کی ترقی کو دکنے کیلئے عمداً بندش والے قدم اٹھانی ہیں۔ ایسا اُن ملکوں میں خاص طور سے ہوتا ہے جہاں مقامی صنعت اپنے پیر جانے لگتی ہیں۔ مثلاً برازیل میں ملٹی نیشنل کار پوریشنوں نے قیمتیں کم کر کے، سپلائی روک کر اور ایسا ناقص ساز و سامان سپلائی کر کے جس سے بریک ڈاؤن کے واقعات ہوتے تھے، بر قی انجنئرنگ صنعت کا گلاگھونٹنے کی کوشش کی۔

اجارہ دار اُن سرمایہ سب سے پہلے ایسی صنعتوں پر حلکرتا ہے جو اس کے لئے انتہائی منافع بخش

ہیں، اور اس سلسلے میں وہ معاشی نوآبادیت کا خاتمہ کرنے کی ترقی پذیر ملکوں کی خواہش سے فائدہ احتراستا ہے۔ مثال کے طور پر افریقی برابر عظم میں سرگرم عمل بین الاقوامی اجارہ داریاں ایسا کرتے وقت متعدد مجاز کے روپ میں کام نہیں کرتی ہیں۔ آن کے درمیان تنگین تفادات افریقی منڈیوں میں مقابلہ تیز کرتی ہیں اور چونٹ کی سرمایہ دار طاقتلوں کی ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے درمیان طاقت کا توازن بگڑتا ہے۔ افریقی مینوفینیکچر نگ صنعت میں سب سے زیادہ سرمایہ برطانیہ اور فرانس کی ملٹی نیشنل کا لگا ہے۔ لیکن بعض میدالوں میں ان کی غالباً پوزیشن کی جگہ امریکہ، چاپان اور مغربی جرمی کی ملٹی نیشنل کارپوریشنوں نے لے لی ہئے جوان کی اصل حریف ہیں۔

افریقہ میں ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کا سب سے زیادہ سرمایہ آہنی اور غیر آہنی دھات سازی کی میکل صنعت، موڑ گاڑیوں کی اسیبلنگ، زرعی کاروبار، اور الکٹر انک مشتمل اجزاء کی تیاری میں لگا ہوا ہے۔ یہ صنعتیں سامراجی طاقتلوں کے درمیان سخت رقبہ اور مقابلے بازی کا میدانِ بتی جا رہی ہیں۔

تکنیکی جدید نوآبادیت افریقی ملکوں میں ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کی سرگرمی کا بنیادی میدان بن گیا ہے۔ جدید تکنالوجیاں خرید کر استعمال کر کے نو عمر ریاستیں اُن ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کی دست نگریں جاتی ہیں جن کے اس میدان میں غالبہ کا نتیجہ افریقی برابر عظم میں سائنسی اور تکنیکی ترقی کی محدود اور مسخ شدہ تقسیم کی صورت میں نکلا ہے۔

افریقی ملکوں کی تکنیکی محتاجی کا اظہار درج ذیل شکلوں میں ہوتا ہے:

- ۱۔ قومی صنعتی پیداوار پر کنٹرول میں قابلِ لحاظ کمی
- ۲۔ ایسی ترقی یافتہ سائنسی اور زیادہ سرمایہ والی تکنالوجیوں کی جبراً خریداری جنہیں استعمال کرنا اور کام میں لانا مشکل ہے، جو مخصوص مقامی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتی ہیں اور جن سے قومی معیشت کے ترقیاتی تقاضے پورے نہیں ہوتے ہیں۔

۳۔ ”تکنالوجی کی ادائیگی“ پر زیادہ فنڈز کا اصراف

کم آمدی والے ملکوں کا توکہنا ہی کیا نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ مالک دشمناتیونس، کینیا اور مراقبہ، بھی ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے تکنیکی طور پر کافی محتاج ہیں۔ ایسی حالت میں ترقی پذیر ملکوں کے لئے، خاص طور سے بے حد کم ترقی یافتہ ملکوں کے لئے اپنی پسند کی تکنالوجیاں خریدنا، انھیں موثر طور پر استعمال کرنا اور انھیں مقامی حالات کے مطابق بنانا بہت مشکل اور بعض اوقات عمل ناممکن ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ہندوستانی ہفتہ وار ”افریقی ڈائری“ نے لکھا ہے کہ غیر ملکی کارروباری فرموں

کے ساتھ ۲۰ سے زیادہ برسوں کے تعاون کے بعد بھی افریقی ملکوں نے تکنالوجی کے استعمال کے کوئی گرّ نہیں سیکھے ہیں۔ وہ یہ امید بھی نہیں کر سکتے کہ وہ خود کبھی ان تکنالوجیوں کو استعمال کر سکیں گے۔ سرمایہ دار طاقتیں محنت کی بین الاقوامی سرمایہ دارانہ تقسیم کے نظام میں ترقی پذیر ملکوں کی محتاجی کی پوزیشن کو برقرار رکھنے کے لئے ہر جتن کرتی ہیں۔ وہ بعض طریقوں اور شکلوں میں جزوی تبدیلی تو کرتی ہیں لیکن استحصال، تفریق اور غیر مساوی لین دین کے ان تعلقات کو جوں کا توں لکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔

سامراجی ریاستیں یہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ ایک نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے پروگرام کی صورت گری نو عمر ریاستوں کے قدرتی اور افرادی قوت کے وسائل کا استحصال کرنے اور زکران کے بوجھ کو اُن کے کندھوں پر منتقل کرنے کے اجارہ دارانہ سرمایہ کے امکانات کافی محدود کر دے گی۔ سامراجی طاقتیں کی پالیسی، انفرادی نوعیت کے کچھ فرق کے باوجود، بنیادی مقاصد کے حصول کے لئے کوشش ہے۔

پہلے تو یہ کہ عالمی سرمایہ دارانہ معیشت کے موجودہ پیداواری ڈھانچے کو برقرار رکھا جائے، اس کا مطلب ہے معاشی طور پر کمزور ریاستوں کی محتاجی کی پوزیشن اور صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں کی غالب پوزیشن باقی رہے۔

دوسرے یہ کہ ترقی پذیر ملکوں کو اپنے معاشی مسائل حل کرنے کے لئے سرمایہ دارانہ منڈی کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دی جائے اور انھیں ملٹی نیشنل کار پوریشنوں کی سرگرمیوں کو محدود کرنے سے باز رکھا جائے۔

## ہستھیاروں کی دوڑ، ترقی پر بھاری بوجھ

اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق آج دنیا فوجی مقاصد پر ہر سال ۶۰۰ ارب ڈالر خرچ کرتی ہے۔ یہ دنیا کی کل پیداوار کے تقریباً ۶ فیصد اور افریقہ والا طینی امریکہ کے تمام ملکوں کی مجموعی قومی پیداوار

کے قریب قریب برابر ہے۔ ہتھیاروں کی دوڑ پر یہ خرچ سرکاری ترقیاتی امداد سے ۲۰ گنا زیادہ اور اس رقم کے برابر ہے جو دھرتی پر غربت اور بھوک کی بیخ کنی کے لئے درکاہ ہے۔ لیکن اس زبردست ماڈی اتنا فرمان کے باوجود ہتھیاروں کی دوڑ زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری سے جاری ہے۔ مجموعی فوجی اخراجات ہر سال ۲ فیصد بڑھ جاتے ہیں اور روائی صدی کے ادا خریک آن کی مالیت ۸۵۰ ارب ڈالر ہو جائے گی۔ اور تین فیصد اضافے کی صورت میں جو قطعی اغلب ہے، یہ رقم ۱۰۲۰ ارب ڈالر تک پہنچ جائے گی۔

اس سلسلہ میں ایک اور چیز ذہن میں آتی ہے اور وہ یہ کہ ایک ہزار ارب ڈالر غیر ملکی قرضہ اس بات کا اظہار ہے کہ ہتھیاروں کی دوڑ کو تیز کرنے کے لئے سرمایہ انتہائی غریب ملکوں کی قیمت پر فراہم کیا جا رہا ہے۔ سامراجی طاقتیں ہتھیاروں کی دوڑ کو تیز کرنے کے لئے ان ریاستوں کے وسائل آج بھی سلب کر رہی ہیں۔ لہذا یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ دنیا کا مقدر ہتھیاروں کی دوڑ میں ملوث ریاستوں کو لگام دینے پر ہی نہیں بلکہ ایک نئے بین الاقوامی معاشری نظام کے قیام کی جدوجہد کی کامیابی پر بھی زیادہ سے زیادہ منحصر ہو رہا ہے۔

ان مسائل کو حل کرنے کے طریقے بڑی حد تک ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، نہ صرف اس وجہ سے کہ ہتھیاروں کی دوڑ کو ختم کئے اور ترک اسلٹ کا دور شروع کئے بغیر جنگ کے خطرے کے دور کرنا ناممکن اور پس ماندہ ملکوں کی تیز رفتار سماجی معاشری ترقی کے لئے ضروری وسائل مہیا کرنا مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سو شلسٹ برادری کے ملکوں کی متعدد امن پہل قدمیوں کو تسلیم کرنے سے مغرب کے مسلسل انکار کی وجہ بڑی حد تک رجعت پسند سیاست داؤں کی یہ امیدیں ہیں کہ ہتھیاروں کی دوڑ سو شلسٹ ملکوں کی "معاشری موت" کا سبب بننے کی کیونکہ اپنی حفاظت کے لئے اسے بے حد سرمایہ طلب قدم اٹھانے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے جن کے لئے وہ وسائل داخلی طور پر مہیا کرتے ہیں نہ کہ مغربی ملکوں، خاص طور سے امریکہ کی طرح دوسروں کا استھصال کر کے۔

یہ امیدیں قطعی بے بنیاد ہیں کیونکہ سو شلسٹ ممالک کی معیشت اور صلاحیت جوابی اقدامات کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کے اہل ہیں۔ یہ سوچنا کہ ہتھیاروں کی دوڑ کی مار صرف سو شلسٹ برادری پر پڑے گی، اس حقیقت کو عدم انظر انداز کر دینے کے مترادف ہے کہ ہتھیاروں کے شیل سامراجی سرزین پر اور ایشیا، افریقہ نیز لاٹیجنی امریکہ کے درجنوں ملکوں میں پھٹ رہے ہیں۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہتھیاروں کی دوڑ انسان، سماج اور سماجی تعلقات کی ترقی سے وابستہ متعدد مسائل کے حل کے راستہ میں نہ صرف یہ کہ حائل ہوتی ہے بلکہ اس حل کو اکثر روکتی بھی ہے۔ ہتھیاروں کی دوڑ ختم کرنے اور عالمی جنگ کے خطرے کو دور کرنے کا مطلب ہے صحیح سمت

میں سب سے بڑا قدم اٹھانا۔ بالآخر متعدد عالمی مسائل کے حل کا آغاز کرنا یا انھیں زیادہ قریب تر لانا۔ ان میں نے بنی الاقوامی معاشی نظام کے قیام کا سلسلہ بھی شامل ہے۔

ہم اپنے قارئین کی توجہ بعض دوسرے اعداد و شمار، اندازوں اور موازنوں کی جانب بھی مبذول کرانا چاہیں گے۔ مثال کے طور پر ہم جدید سہیاروں اور فوجی ساز و سامان کی لائکت کو لے سکتے ہیں ان کی خریداری ترقی پذیر ملکوں کی کمزور میشتوں پر بالخصوص بھاری بوجھ ڈالتی ہے۔ اس سلسلہ میں صرف یہ بتانا کافی ہو گا کہ ایک فوجی کی تربیت، دیکھ بھال اور اسلحہ بندی پر جو خرچ ہے آتا ہے وہ مشرق وسطیٰ میں ۱۳، جنوبی ایشیا میں ۱۴ اور افریقیں ۱۲ لوگوں کی اوسط سالانہ آمدنی کے برابر ہے۔

دوسرے الفاظ میں اس حقیقت کا کہ ترقی پذیر ملکوں کی فوج کی کل تعداد ایک کروڑ ۵۶ لاکھ ہے، مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ اتنے بہت سے نوجوان، صحبت مند لوگ پیداوار میں حصہ نہیں لیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ تقریباً ۲۱ کروڑ شہریوں کو صرف اس لئے جان توڑ مخت کرنا چاہئے کہ یہ خرچہ اُن کی محنت کے ثمرات کو ضائع کر سکے۔

مستقبل کے امکانات حوصلہ افزان نہیں ہیں۔ فوجی ساز و سامان کے ایک یونٹ کی بڑھتی ہوئی قیمت اسلحہ بندی کے بوجھ کو مسلسل بڑھاتی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ تکنیکی طور پر ہر مند کارکنوں کی جن کی شہری میشتوں کو سخت ضرورت ہوتی ہے، ایک بڑی تعداد فوج کی خدمت کی نذر ہو جاتی ہے بلکہ فوجی ماہرین کی تربیت جو عام طور سے غیر ملکوں میں ہوتی ہے، بہت گران بھی ہے۔ اس پر فوجی اوسطاً ۵۷ تا ۶۰ ہزار ڈالر سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔ یہ اخراجات ایسے ملکوں کو برداشت کرنا پڑتے ہیں جہاں تقریباً ۵۰ کروڑ لوگ مسلسل بجوکے رہتے ہیں، جہاں کروڑوں لوگ مکان اور روزگار سے محروم میں اور جہاں تقریباً ۸۰ کروڑ افراد بے پڑھ لکھتے ہیں۔

ترقبی پذیر ملکوں کے فوجی اخراجات، طبی امداد اور تعلیم پر ریاستی اخراجات سے اوسطاً دو گناہوتے ہیں۔ ایک فوجی پر اتنی رقم خرچ ہوتی ہے جتنی کان مقاصد کیلئے لاطینی امریکیہ میں ۱۱۶ افراد پر، مشرق وسطیٰ میں ۴۳، افریقیہ میں ۳۸۵ اور جنوبی ایشیا میں ۳۴ میں افراد پر خرچ ہوتی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ "روٹی" کی قیمت پر ہی نہیں بلکہ نصابی کتابوں، اسپتال کے بستروں اور بڑھا پے کی پنشنوں کی قیمت پر بھی "بم"، بنائے جائے ہیں۔

ترقبی پذیر ملکوں میں مسلح افواج کو مفہومی طبقہ کی تمام کوششوں کی نوعیت کا دار و مدار ان میں پوشیدہ مقصد پر ہوتا ہے۔ فوجی طاقت دفاع کا اور جدوجہد آزادی کا جائز طریقہ ہے۔ ترقی پذیر دنیا کی ریاستوں اور قوموں کو یقینی طور پر اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ آزادی اور اقتدار اعلیٰ کے اپنے حق کو محفوظ رکھیں اور رسام اجیوں

نیزان کے مددگاروں کی دست اندازیوں سے قومی آزادی اور عوامی جمہوری انقلابوں کی کامیابیوں کی حفاظت کر سکیں۔

لیکن فوجی طاقت کا استعمال رجعت پسند، شاؤنی اور جارحانہ مقاصد کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے جو آزادی کے، سامراج مخالف جدو جہد کے مفادات کے خلاف ہیں۔ اس روں میں بھی فرق ہے جو مسلح افواج داخلی میدان میں ادا کرتی ہیں۔ فوج کے اندر کے قومی محب وطن عناصر نے، خاص طور سے ترقی پسند فوجی افسروں نے سامراج کے خلاف، قومی آزادی کے استحکام اور انقلابی نوعیت کی سماجی تبدیلیوں کے لئے جدو جہد کا متعدد بار آغاز کیا ہے۔ متعدد ترقی پذیر ملکوں کی فوجیں قومی جمہوری پارٹیوں کی رہنمائی میں وسیع نوعیت کا تنظیمی، معاشی، سیاسی اور تعلیمی کام کرتی ہیں اور محنت کش عوام کو سماجی اور سیاسی زندگی میں زیادہ سرگرمی سے حصہ لینے کی ترغیب دیتی ہیں۔

لیکن ہتھیاروں کی دوڑ بعض اوقات ایسے ملکوں میں بھی سرگرمی سے شروع ہو جاتی ہے جنھیں باہر سے کوئی خطرہ نہیں ہے، تاہم وہ سامراج کے ورغلانے پر پڑوں ملکوں کے علاقوں پر اور دوسری طرح کے دعوے کرتے ہیں۔ ہتھیاروں کے ان بھنڈاروں سے نہ تو بین الاقوامی صورت حال کو مستحکم بنانے میں مدد ملتی ہے اور نہ ہی ان سے آج کی فروع پذیر دنیا کے تصادم کے متعدد مسئللوں کو حل کیا جاسکتا ہے۔

ہتھیاروں کی دوڑ کے خاتمة اور ترکِ اسلحہ سے ساری نوع انسانی کو جس میں ترقی پذیر قومیں بھی شامل ہیں جو فائدے پہنچیں گے ان کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ ترکِ اسلحہ سے بہت سے فوری توجہ طلب مسائل کو حل کرنے میں زبردست مدد ملتے گی۔ یہ مالک ان وسائل کو کام میں لا کر جو اس وقت فوجی مقاصد پر خرچ ہو رہے، سماجی، معاشی ترقی کی شرطیں کافی بڑھا سکتے ہیں۔ ترکِ اسلحہ کے حالات میں ان کے داخلی وسائل کا ترقی کے لئے استعمال ہو گا اور ان کو غیر ملکی امداد بھی زیادہ ملے گی جیسا کہ سو دیت میگزین ایشیا اور افریقیہ کے قومیں نے لکھا ہے کہ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں کے درمیان فی کس آمدنی میں فرق کو روں صدی کے او اختریک کم از کم نصف کرنے کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ ترقی پذیر دنیا میں سرمایہ کاری اس کی مجموعی داخلی پیداوار کے ۳۰ تا ۴۵ فیصد حصے تک (۳۵-۴۰ ارب ڈالر) اور بعض صورتوں میں بھی صد تک (۸۰ ارب ڈالر) بڑھائی جائے۔ ہتھیاروں کی دوڑ کو عالمی پہمیانے پر روکے بغیر، ترقی پذیر ملکوں کی مدد کرنے میں عالمی برادری کے تمام ملکوں کی مشترکہ مساعی کے بغیر بینیادی سرمایہ کاری کی اس طرح کی سطح ناقابل تصور ہے۔

فوجی اخراجات کو پُرانی اغراض کے لئے کام میں لانے سے ترقی پذیر ملکوں کے ایک اور تکلیف دہ مسئلہ، یعنی بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے میں بھی مدد ملتے گی۔ مثال کے طور پر ہندستان کے معاملہ میں،

ان ۱۳۰ ارب ڈالروں میں سے جو ترقی پذیر دنیا فوجی تیاریوں پر صرف کرتی ہے، ۹۰ ارب ڈالر شہری ترقیات کے لئے کام میں لائے جائیں تو ان سے بھاری صفت اور ٹرانسپورٹ میں بزرگار لوگوں کی تعداد ہر سال ۳ کروڑ ۶۰ لاکھ، ہلکی صنعت میں ۸ کروڑ ۲۸ لاکھ خدمات کے شعبے میں ۹۰ اکروڑ بھم لاکھ یا دیہی صفتیوں میں ۲۰ کروڑ ۸۵ لاکھ بڑھ سکتا ہے۔

اس فارمولے کو شینی انداز میں تمام ترقی پذیر ملکوں پر لاگو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اُن کی ترقی کی سطحیں بہت مختلف ہیں۔ اور ان کے معاشی ڈھانچوں میں بے حد فرق ہے۔ مزید برآں بے روزگاری کی وجہ صرف ناکافی سرمایہ کاری ہی نہیں ہے۔ اس کے باوجود فوجی اخراجات میں کمی سے روزگار کے امکانات بے حد بڑھ سکتے ہیں۔

فوجی اخراجات میں جزوی کمی سے ہی ترقی پذیر ملکوں میں غذا سیست، صحیتی خدمات اور تعلیم کے حالات کو کافی بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ نو عمر ریاستوں کے فوجی اخراجات میں صرف ۸ تا۔ افیڈر کمی سے ہی انھیں مناسب غذا فراہم کی جا سکتی ہے۔

چونکہ افریقیہ، ایشیا اور لاطینی امریکیہ کے ملکوں میں نوزاںیدہ بچوں میں سے ۹۰ فیصد کے ٹیکے نہیں لگائے جاتے ہیں، اس لئے وہاں ہر سال ۰۵ لاکھ بچے مر جاتے ہیں۔ تمام نوزاںیدہ بچوں کو سارے ٹیکے لگانے کے لئے صرف ۶۰ کروڑ ڈالر کی ضرورت ہوگی جو عالمی فوجی اخراجات کا محض ۱۰ فیصد ہے۔

اس وقت دنیا کے تقریباً ۲۰ اکروڑ لوگوں کو جن میں سے زیادہ تراشیا، افریقیہ اور لاطینی امریکیہ میں رہتے ہیں، پہنچنے کا صرف پانی میسر نہیں ہے۔ اس وجہ سے وسیع پہمیانے پر بیماریاں پھیلتی ہیں اور پیٹ و آنتوں کی بیماریوں سے کافی تعداد میں لوگ مر جاتے ہیں۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے کئی برسوں تک ۳ ارب ڈالر کی مزید رسم کی ضرورت ہوگی۔

ترقی پذیر ملکوں میں ہر چوتھا بالغ مرد لکھ بڑھ نہیں سکتا اور اسکوں عرکے صرف ۵ فیصد بچے اسکوں جاتے ہیں۔ بالغوں کے درمیان ناخواندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے سالانہ تعلیمی اخراجات میں صرف ۲۰ اکروڑ ڈالر کے اضافہ کی ضرورت ہوگی۔ (عالمی فوجی اخراجات کا محض ۲۰ فیصد) پرائمری اسکوں میں دس کروڑ بچوں کی تعلیم اور دیکھ بھال پر ۳۰ کروڑ ڈالر کا خرچ آتا ہے۔ فوجی اخراجات کے مقابلہ میں رقم برابر نام ہے۔ ہمہ بیماروں کی دوڑ کے خاتمے سے نوع انسانی کو ترقی پذیر دنیا کے بہت سے فوری توجہ طلب مسائل کے حل کے لئے کافی وسائل مہیا ہو جائیں گے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ریاستوں کے درمیان پُر امن تفاون کی فضائے ترقی پذیر ملکوں میں سماجی ترقی کو فروع حاصل ہوگا۔

سابق نوا بادیوں کی پس ماندگی کا سندھ صرف اس حقیقت تک محدود نہیں ہے کہ بعض ملکوں کی حالت بہت خراب اور مناک ہے، یہ کہ کروڑوں لوگ غربت اور بھوک کی زندگی گزارتے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کو ہماری دھرتی پر ایسا اہم مقام حاصل ہے کہ دنیا اُن کے مسائل کو نظر انداز نہیں کر سکتی یا ان کے بارے میں ہمدردی کا اظہار کر کے یا خیرات کے نکڑے دے کر اپنے آپ کو بری الذمہ نہیں کر سکتی۔ ترقی پذیر ملکوں میں غیر حل شدہ مسائل اور ان میں اضافے نیز لگاڑے عالمی کشیدگی بڑھتی ہے۔ جس کے ساری نوع انسانی کے لئے ملک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

اس میں بھی شک نہیں کہ نوع انسان کے بنیادی فرضیے یعنی فوجی غارت گری کے خطرے کو دور کرنے کے مسئلہ کو ترقی پذیر ملکوں کی شرکت کے بغیر حل نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ریاستوں کی پُرانی بقاۓ باہم ترقی پذیر ملکوں کی سماجی، معاشری ترقی کے لئے اولین ضرورت ہے اور ہتھیاروں کی دوڑ کے خاتمہ سے اس ترقی کے امکانات بے حد و سیع ہو سکتے ہیں۔

ترقی پذیر ملکوں کے بھرمان کو دور کرنے کے ممکنہ طریقوں کا تجزیہ رجایت کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ اس صدی کے آخری ۱۵ ابرسوں میں ہماری دھرتی کی سیاسی صورت حال اس کے آغاز کی صورت حال سے بہت مختلف ہے۔ قوموں کی سو ششٹ برادری وجود میں آگئی ہے اور طاقت حاصل کر رہی ہے۔ ان کے ارکان نے نئے طرز کے بین الاقوامی معاشری تعلقات قائم کئے ہیں۔ سو ششٹ ریاستوں اور ایشیا، افریقہ نیز لاٹینی امریکہ کے ترقی پذیر ملکوں کے درمیان مختلف طرح کے روابط قائم کر کے ان تعلقات کے اصولوں کو عمل شکل دیجا رہی ہے۔ سامراج کے لئے دنیا کی قوموں پر اپنی مرضی مسلط کرنا زیادہ سے زیادہ مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ صرف سو ششٹ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان بلکہ ساری دنیا میں نئے، منصفانہ بین الاقوامی تعلقات کے، امن و ترک اسلحہ کے زیادہ سے زیادہ مظاہرے ایک واحد طاقتور تحریک میں مدغم ہو رہے ہیں۔ عالمی سو ششٹ نظام اور دنیا کی تمام جمہوری قوتوں کے ساتھ نوازادری استوں کے تعلقات اور اتحاد جتنے زیادہ قریبی ہوں گے، سامراجیت اور جنگ پسندی کے خلاف اُن کی مشترک جدوجہد جتنی زیادہ مربوط اور پر زور ہوگی، امن و ترک اسلحہ کے لئے اور سماجی، معاشری ترقی کے لئے جدوجہد اتنی ہی زیادہ موثر اور کارگر ہوگی۔

مارکیانا اوسمووا، پی ایچ ڈی (معاشیات) ماسکو اسٹیٹ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔  
وہ عالمی معاشی تعلقات، سو شاست اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان معاشی تعاون کے  
موضوع پر کئی کتابیں لکھے ہیں۔

ڈاکٹر اوسمووانے کئی بین الاقوامی معاشی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے اور بلغاریہ،  
پولینڈ، جاپان، فن لینڈ اور دوسرے ملکوں میں یکچر دیئے ہیں۔